حروف مقطّعات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

صِرَاطُ عَلِیٍّ حَقٌّ نُمَسِّکُهٗ

الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی (مجتہد)
ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

www.insaaniat.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حروفِ مقطعات:

قرآن کریم کے سمٹے ہوئے اور منجمد معنی

پھیلاؤ کائنات کو محیط اور سمیٹو تو ''علیؑ''

تمام مسلمان جانتے اور مانتے ہیں کہ الٓمٓ قرآن کریم میں نازل شدہ سورۃ البقرہ کی پہلی آیت ہے لیکن سمجھتے نہیں ہیں۔

الٓمٓ O ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ O

''''الف لام میم' وہ کتاب ہے جس میں کوئی اُلجھن نہیں،

وہ ایسے ذمہ دار لوگوں کو ہدایت کرتی ہے۔۔۔۔۔۔''

(1) الف لام میم:

الف لام میم اللہ کے اسم اعظم کی بنیاد ہے۔ اسی قسم کے حروف بعض دوسری سورتوں کی ابتدا میں بھی آئے ہیں۔ اُن کو حروف مُقطعات کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ حروف بعض ناموں یا جملوں میں سے شروع یا درمیان کے یا آخر کے حروف لے کر اُن ناموں یا جملوں کو ظاہر کرنے کے لئے کاٹ لئے گئے ہیں۔ جیسے بزرگوں کے ناموں پر حرف ''عینؑ'' لکھنے کا مطلب ہم سب ''علیہ السلام'' یا ''علیہم السلام'' سمجھتے ہیں اور حروف ''صادؑ'' دیکھتے ہی ہم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صلوٰۃ اللہ علیہ پڑھتے ہیں۔ اور ثواب حاصل کرتے ہیں۔ اسی درود میں سے ''صَلّی'' کا صاد اور لام لے لیا گیا اور پھر اللہ کو چھوڑ دیا گیا پھر ''علیہ'' میں سے عین

کاٹ لیا گیا۔اور ''سَلَّمْ ''میں سے آخری حرف میم لے لیا گیا۔اور منقطع کیے ہوئے حرفوں کوملا کرایک لفظ ''صَلْعَمْ'' بنالیا گیا ہے۔ جسے دیکھ کرتمام مومنین آنحضرتؐ پر درود پڑھتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ وہ حروف مُقطعات کا طریقہ اور مقصد سمجھتے ہیں اور تمام لکھے پڑھے غیر مسلم حضرات بھی ایسے حروف کو عزت و بزرگی کا نشان ضرور سمجھتے ہیں۔قرآن کریم کا یہ طریقہ دنیا کی تمام اقوام نے پسند کیا اور آج دنیا کے تمام ممالک اور تمام زبانوں میں کروڑوں حروف مقطعات استعمال ہوتے ہیں اور ان کے استعمال سے بولنے اور لکھنے میں بڑا وقت بچتا ہے۔اور خفیہ خط و کتابت اور منصوبوں میں یہی حروف سربستہ راز (Code Words) بن جاتے ہیں۔کون ہے جو ''واپڈا'' کو یا ''یواین او'' یا ''بی بی سی'' یا ''ایم اے'' اور ''ایل ایل بی'' کو بے معنی سمجھتا ہو؟ بہرحال آج حروف مقطعات ساری دنیا پر چھا گئے ہیں اور حد بھر مفید ثابت ہوئے ہیں مگر افسوس کہ رسوؐل کی مذکورہ قوم قریش (25/30) نے قرآن کریم کی دیگر آفاقی و کائناتی تعلیمات کے ساتھ ساتھ حروف مقطعات کے معانی اور مطالب و مقاصد کو بھی قوم کے مجتہدانہ قبرستان میں دفن کر دیا اور ہاتھ جھاڑ کر کھڑی ہوگئی۔ چنانچہ آج قرآنی حروف مقطعات پر سو سو سال کے چودہ تاریک پردے پڑے ہوئے ہیں یہی نہیں بلکہ بعض علما نے حروف مقطعات کی تحقیق اور چھان بین کو شرک و بدعت قرار دے کر راہ تلاش بھی بند کر دی اور جو آخری نرم سے نرم بات فرمائی گئی وہ یہ ہے کہ :

''1۔نہ تو ان حروف کا مفہوم سمجھنے پر قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کا انحصار ہے۔اور 2۔نہ یہی بات ہے۔کہ اگر کوئی شخص ان کے معانی نہ جانے گا تو اس کے راہ راست پانے میں کوئی نقص رہ جائے گا۔لہٰذا۔3۔ایک عام ناظر کے لئے کچھ ضروری نہیں ہے

کہ وہ ان کی تحقیق میں سرگردان ہو‘‘ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 49)

کوئی علامہ حضور سے پوچھتا کہ سرکار آپ کے یہ تینوں فیصلے قرآن کی کون سی آیت یا آیات سے اخذ کیے گئے ہیں؟ یقیناً یہ آپ کی ذاتی یا جماعتی رائے ہے۔ اور ایسی رائے جس سے قرآنی حروف والفاظ بے معنی لایعنی اور فضول ثابت ہوں مسلمہ طور پر حرام ہے۔ قرآن کو سرسری طور پر دیکھنے والا شخص بھی یہ سمجھے بغیر نہیں رہا کہ قرآن میں حروف مقطعات کا ایک باقاعدہ نظام ہے۔ اس نظام کو نہ سمجھنا اتنا سنگین جرم نہیں جتنا اس کو بے معنی وفضول قرار دینا جرم ہے۔

2۔ مصنفین کی بے دلیل گمراہ کن باتوں پر تنقید کرنا واجب ہے۔

علامہ مودودی نے تاکید کی ہے کہ اس قسم کے مصنفین پر تنقید لازم ہے تاکہ عوام کو گمراہی سے بچایا جاسکے فرماتے ہیں کہ۔ : ’’لوگوں کو کسی شخص یا اشخاص کے شر سے خبردار کرنا تاکہ وہ اس کے نقصان سے بچ سکیں۔ مثلاً راویوں، گواہوں اور مصنفین کی کمزوریاں بیان کرنا بالاتفاق جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔ کیوں کہ اس کے بغیر شریعت کو غلط روایتوں کی اشاعت سے، عدالتوں کو بے انصافی سے اور عوام یا طالبانِ علم کو گمراہیوں سے بچانا ممکن نہیں ہے‘‘ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 93-92)

ہم کمزوریوں کو نظرانداز کردیتے ہیں مگر یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ قرآن کے ترجمہ یا تفسیر وتوضیح میں جہاں جہاں ذمہ دارانِ علم وہدایت علما کوئی غلط راہ نکالیں اُن کو ٹوکیں اور اُن سے عوام کو خبردار کریں۔ علامہ کو اپنی ذمہ دارانہ پوزیشن کے ماتحت یہ چاہئے تھا کہ انہیں حروفِ مقطعات کے متعلق جتنا علم تھا اُس میں محدود رہتے اور گزر جاتے۔

جیسا کہ اکثر علمائے صالحین کا طریقہ رہتا چلا آیا ہے۔لیکن انہوں نے تین ایسے حکم صادر فرمادیئے جن کو صادر کرنے کا اختیار اللہ نے اپنے رسولؐ کو بھی نہیں دیا تھا۔اگر علامہ یہ کہتے کہ افسوس ہے ہمیں حروف مقطعات کا باقاعدہ علم نہیں پہنچا ورنہ ہم اپنے عقاید واعمال ومزید تحقیقات میں ان سے ضرور استفادہ کرتے تو اللہ ورسولؐ اور امت کی طرف سے اُن پر کوئی بھی مواخذہ نہ ہوتا۔اُدھر تحقیق وتمنا کے دروازے بند نہ ہوجاتے مگر علامہ نے فیصلہ کردیا کہ حروفِ مقطعات بالکل غیر ضروری ہیں اور اللہ کے اس کلام کو ہدایت واصلاح اور افادیت سے خارج کرکے عبث اور مہمل قرار دینا ایک ایسی جرات وجسارت ہے جس کو روکنا ہم پر واجب تھا۔اور ہم برابران کو منظر عام پر لاتے رہیں گے اور بتائیں گے کہ :

3۔علامہ نے ہمارا اعتراض رسولؐ کی قوم پر مستحکم کردیا ہے۔

علامہ کے درج ذیل بیان کی رُو سے حروف مقطعات اپنے معانی اور مطالب کے ساتھ قرآن کے اولین مخاطب لوگوں میں مشہور تھے اور ان کے معنی وہ لوگ بلا کسی دقت اور مدد کے خود بخود سمجھتے تھے اور اسی بنا پر ہماری یہ شکایت جائز ہے کہ رسولؐ کی قوم (25/30) نے وہ معانی اور مطالب کیوں آگے نہ بڑھنے دیئے؟ کیوں ساری اُمت کو اُن سے قیامت تک محروم کردیا؟ علامہ کو سنئے ''یہ مقطعات کوئی چیستان نہ تھے جس کو بولنے والے کے سوا کوئی نہ سمجھتا ہو؟ بلکہ سامعین بالعموم جانتے تھے کہ ان سے کیا مراد ہے؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے خلاف نبیؐ کے ہم عصر مخالفین میں سے کسی نے بھی یہ اعتراض کبھی نہیں کیا کہ یہ بے معنی حروف کیسے ہیں جو تم بعض سورتوں کی ابتداء میں بولتے ہو؟ اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام سے بھی ایسی کوئی روایت منقول نہیں ہے کہ انہوں نے نبیؐ سے ان

(مقطعات) کے معنی پوچھے ہوں۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 49)

بات واضح ہوگئی کہ الف لام میم اور ایسے ہی تیس (30) مختلف مخففات یا مقطعات باقاعدہ معانی ومطالب کے حامل تھے اور ان معانی ومفاہیم کو عہد رسولؐ کے مسلم وغیر مسلم مخاطب خوب سمجھتے تھے لیکن رسولؐ اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم کے بعد کیا ہوا؟ وہ معانی ومفاہیم کہاں چلے گئے؟ کیا عربوں پر کوئی ایسی رات گزری کہ وہ سب ایک دم عربی زبان بھول گئے تھے۔ اور صبح کو کوئی اور زبان بولتے ہوئے بیدار ہوئے تھے؟ اور پھر کبھی انہیں سابقہ زبان واپس نہ ملی تھی؟ دوستو یہ تو ایک ایسا حادثہ ہے جسے سہولت سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جن حروف کے معانی ومطالب کو جاننے والے لاکھوں انسان بیک وقت موجود ہوں وہ کس طرح معنی اور مطالب سے خالی ہوگئے؟ نہ وہ لاکھوں انسان ایک دن بیک وقت مر سکتے تھے نہ سب کے سب اپنا حافظہ گم کر سکتے تھے جتنے لوگ بڈھے ہو کر مرتے تھے ان سے زیادہ سمجھنے والے لوگ پیدا ہوتے جاتے تھے اس فطری تسلسل کو کس جادو نے توڑ دیا؟ اور پھر یہ حادثہ تاریخ میں کیوں نہ آیا؟ قارئین نوٹ کریں اور سمجھ لیں کہ یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ تاریخ وحدیث وتفسیر کی کتابیں اسی قوم کے حکمرانوں نے لکھوائی تھیں جس نے قرآنی حقائق کو تباہ کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا (فرقان 25/30) لہٰذا ہوا یہ کہ راویوں کے منہ پر تالے ڈال دیئے گئے دانشور اور اہل قلم خریدے گئے اور وہ تاریخ وغیرہ لکھوائی گئی جو اُن کے عہد رسولؐ والے کارناموں پر پردہ ڈال دے جو اُن کے خودساختہ مذہب کو خودساختہ روایات کا سہارا دے اور ہر اس تعلیم کو نظر انداز کردے جو رسولؐ اور قرآن کو ہمہ گیری اور عصمت مطلقہ دیتی ہو۔ چنانچہ جو حکمران حضرت علیؑ اور اہل بیت علیہم السلام پر

ساری اسلامی مملکت کی تمام مساجد اور منبروں سے ننانوے سال تک سَب وشتم تبّرا جاری کرانے پر اُمت کو رضامند رکھے اس سے کون سی بات بعید از عقل ہوسکتی ہے۔ اور اس سے اسلام کی کون سی خدمت کی امید ہوسکتی ہے؟ باضمیر اور دین دار مسلمانوں کے لئے تو یہی ایک حادثہ کافی ہے اس تمام باطل نظام پر لعنت بھیج دینے کے لئے جس کی رو سے ان مقدس بزرگوں پر بلاتکلف لعنت بھیجی جاتی رہے۔ جن پر نماز میں درود بھیجنا واجب کیا گیا تھا۔ جن کی محبت کو ایمان کی اور جن کے بغض کو کفر ونفاق کی علامت فرمایا گیا تھا۔ (بخاری ومسلم وغیرہ) یہ کتنا بڑا انقلاب تھا؟ ایسے سینکڑوں انقلابات پر ان کی تیار کردہ تاریخ وروایات سے پردے ڈالے گئے تھے۔ ان ہی پردوں کے پیچھے الف لام میم (آل محمدؐ) کو چھپانے کی کوشش جاری رہتی چلی آئی ہے۔ اور نہ معلوم کتنے علامہ اور شیخ الاسلام ان پردوں کے پیچھے آج بھی وہی کام کررہے ہیں؟ رسولؐ اللہ کے بعد تین صدیوں تک کسی کی مجال نہ تھی کہ ان حکمرانوں کے خلاف اعلانیہ زبان وقلم استعمال کرکے زندہ رہ سکیں؟ البتہ طاغوتی نظام کی آنکھوں میں دھول ڈال کر عہد رسولؐ ہی سے حقائق ضابطہ تحریر میں لانے اور آگے بڑھانے کا کام جاری ہوگیا تھا۔ اور جب موقع ملتا تھا مناسب حقیقت کو مسلم عوام تک پہنچا دیا جاتا تھا۔ قتل عام ہوتے رہے۔ درختوں پر لاشیں لٹکتی رہیں۔ رفتہ رفتہ تین سو سال بعد جابرانہ گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اور مخالف قوتیں ابھریں۔ انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور اب ان کی تیار کردہ تاریخ وحدیث وتفسیر پر تنقید شروع ہوئی اور حق وباطل کو الگ الگ کرنے کا کام شروع ہوا۔ لیکن اس قوم کی قومی حکومتیں اپنے دائرہ اقتدار میں بدستور اپنے پروردہ علما اور وظیفہ خوار اہل قلم سے حقائق کو گرد آلود کرنے اور ناقدین کو کافر ومشرک کہنے اور گردن

زدنی قرار دینے میں مصروف رہیں۔اور آج تک اس گروہ کے لوگ اپنے چہرہ کے داغ مٹانے کے لئے خود اپنی تاریخ اپنے مرتب کرائے ہوئے ریکارڈ میں تبدیلیاں کرتے جاتے ہیں ۔ اور تاریخ وحقائق بدلنے میں انہوں نے یہود ونصاری کو لاکھوں میل پیچھے چھوڑ دیا ہے۔اور حدیث رسوؐل کو بڑھ چڑھ کر ثابت کر دیا ہے۔

عَنْ اَبِی سَعِیدٍالْخُدْرِی عَنِ النَّبِیَّ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم قَالَ " لَتَتْبَعُنَّ سَنَنَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ ،حَتّٰی لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ" .....

''ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضوؐر نے فرمایا: تم بھی ٹھیک ٹھیک پہلی اُمتوں کے نقش قدم پر چل کر رہو گے حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گُھسے تو تم بھی اس میں گُھس کر رہو گے''
(صحیح بخاری ومسلم وغیرہ)

4۔انہوں نے قرآن کو نعروں کی ایجاد کے لئے مخصوص کرلیا ہے۔

علامہ مودودی جب دوسروں پر رعب ڈالنا چاہتے ہیں تو بڑی بڑی لن ترانیاں سناتے ہیں مثلاً '' یہ کتاب بھی ایک کمال درجہ کا مربوط ومنظّم ضابطۂ حیات پیش کرتی ہے۔جس میں عقاید کی بنیاد پر اخلاق،عبادات،تہذیب وتمدن،معیشت ومعاشرت،قانون وعدالت صلح وجنگ غرض انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر مفصل ہدایات دی گئی ہیں ۔اوران میں کوئی چیز کسی دوسری چیز سے بے جوڑ نہیں ہے۔درآں حالیکہ یہ نظام فکر متفرق آیات اور مختلف مواقع پر دیئے ہوئے خطبوں میں بیان کیا گیا ہے۔پھر جس طرح خدا کے باندھے ہوئے عالم بالا کا نظم اٹل ہے جس میں کبھی ذرہ برابر فرق واقع نہیں ہوتا۔اس طرح اس کتاب میں بھی جو حقائق بیان کیے گئے ہیں اور جو ہدایات دی گئی ہیں ۔ ان کا ایک شوشہ بھی اپنی جگہ سے ہلایا نہیں

جاسکتا‘‘(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 291) قارئین نوٹ کرلیں کہ علامہ نے اس بیان کے نعروں میں قرآن کریم کو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر مفصل ہدایات کی حامل کتاب مانا ہے۔ اوراس میں دی ہوئی ہدایات کو کمال درجہ کا مربوط ومنظّم ضابطہ تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ وہ حروف مقطعات کو اس ربط ونظم وہدایت سے ساقط کر چکے ہیں۔ اب یہ پہلے دیکھ لیں کہ علامہ اپنے نعرہ میں کس حد تک سچے ہیں اور قرآن کریم کی ہمہ گیری پر وہ ایمان لائے ہیں یا نہیں؟

5۔ علامہ کا قرآن پر وہی ایمان ہے جو رسوؐل کی قوم (25/30) کا تھا۔

اللہ نے قرآن کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے اس میں سے نمونہ کی دو آیات اور علامہ کا ترجمہ پہلے پڑھیں

وَلٰـكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَO(12/111)

(1)’’یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جارہا ہے۔ یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہوئی ہیں ان ہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔‘‘(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 438)

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيٰنًا لِّكُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ O(16/89)

(2)’’ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کردی ہے۔ جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے۔ اور ہدایت ورحمت وبشارت ہے۔ ان لوگوں کے لئے جنہوں نے سر تسلیم خم کردیا ہے‘‘(تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 564)

قارئین نوٹ کریں کہ یہ دونوں آیات علامہ کے نعروں کے عین مطابق ہیں یا نہیں؟

☆ پھر یہ دیکھئے کہ ان دونوں آیات میں ہر چیز کی تفصیل اور ہر شے کے بیان کے بعد 1۔ہدایت۔2۔رحمت۔3۔اور بشارت کا الگ سے موجود ہونا مذکور ہے یا نہیں؟

☆ پھر یہ سوچئے کہ اللہ نے قرآن میں یہ تمام سامان کافروں کے لئے موجود ہونا فرمایا ہے یا مومنوں اور مسلمانوں کے لئے؟

☆ پھر دوبارہ دیکھ کر بتایئے کہ علامہ نے اپنے ترجمہ میں تمام یا کل اشیا کی تفصیل اور تمام یا کل چیزوں کا واضح بیان اور ہدایت ورحمت اور بشارت کا موجود ہونا مانا ہے یا نہیں؟

اگر مانا ہے تو یقیناً وہ بھی مسلمان اور مومن ہیں اور اگر ان چیزوں کا انکار کیا ہے تو نہ وہ مومن ومسلم ہیں۔نہ یہ قرآن ان کے لئے نازل ہوا ہے۔

6۔ماشاءاللہ علامہ نہ مومن ہیں نہ مسلم ہیں وہ خالص علامہ اور 6x5 ہیں۔

اب وہ حضرات علامہ کا دوہرا بیان سنیں جو یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ سورہ فرقان (25/30) میں اللہ نے رسولؐ کی قوم کے لئے قرآن کو مہجور کرنے سے کیا بتایا تھا؟ اور علامہ رفیع الدین کا ترجمہ ''پکڑا ہے چھوڑا ہوا'' اور علامہ کا ترجمہ ''اپنی بکواس کا ہدف بنالیا ہے'' کیا معنی رکھتا ہے؟ علامہ مذکورہ بالا دونوں آیات کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ:۔

پہلی وضاحت: ''یعنی ہر اس چیز کی تفصیل جو انسان کی ہدایت وراہنمائی کے لئے ضروری ہے۔بعض لوگ ''ہر چیز کی تفصیل'' سے مراد خواہ مخواہ دنیا بھر کی چیزوں کی تفصیل لے لیتے ہیں۔اور پھر ان کو یہ پریشانی پیش آتی ہے کہ قرآن میں جنگلات اور طب اور ریاضی اور دوسرے علوم وفنون کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی''۔(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 438 حاشیہ 80)

دوسری وضاحت: ’’یعنی ہرایسی چیز کی وضاحت جس پر ہدایت وضلالت اورفلاح وخسران کا مدار ہے جس کا جاننا راست روی کے لئے ضروری ہے۔ جس سے حق و باطل کا فرق نمایاں ہوتا ہے۔ غلطی سے لوگ تِبیاناً لکل شیءٍ ۔اوراس کی ہم معنی آیات کا مطلب یہ لے لیتے ہیں کہ قرآن میں سب کچھ بیان کر دیا گیا ہے۔ پھر وہ اسے نباہنے کے لئے قران سے سائنس اورفنون کے عجیب عجیب مضامین نکالنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں‘‘(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 564 حاشیہ 86)

قارئین! دیکھ لیجئے کہ علامہ قرآن کو محض نعروں اور کاروبارکتب فروشی کی حدتک مانتے ہیں۔ ورنہ وہ کھل کر منکر قرآن ہی نہیں بلکہ مکذب القرآن بھی ہیں۔ آپ شمار کریں کہ علامہ نے کن کن چیزوں کے قرآن میں نہ ہونے کا اعلان کیا ہے؟ اور یہ دیکھیں کہ ان کی یہ فیصلہ کن اطلاعات کون سی وحی سے حاصل ہوئی ہیں؟ اور یہ سمجھیں کہ آج امت کا علوم کائنات کے لئے محروم ہونا کس گروہ کے ذمہ جاتا ہے؟ اللہ قرآن کو ازسرتاپا شِفا فرماتا ہےاور یہ علامہ مسلمانوں کوفریب دینے کے لئے لفظ بلفظ مانتا ہے۔ حالانکہ علم طب کا قرآن میں منکر ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ إِلَّا خَسَارًا(17/82) قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ (41/44)

ترجمہ سنیے: ’’ہم اس قرآن کے سلسلہ تنزیل میں وہ کچھ نازل کررہے ہیں۔ جو ماننے والوں کے لئے تو شِفا اوررحمت ہے۔ مگر ظالموں کے لئے خسارہ کے سوا اورکسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا‘‘(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 639)

علامہ کو کدھر شمار کریں؟ ان کا صحیح مقام اورقرآن کا معجزہ ان کی اپنی وضاحت سے دیکھ لیں۔

7۔علامہ کے متعلق علامہ کا اپنا فیصلہ سن لیں۔

''یعنی جولوگ قرآن کو اپنا راہنما اور اپنے لئے کتاب آئین مان لیں ان کے لئے تو یہ (قرآن) خدا کی رحمت اوران کے تمام ذہنی ،نفسانی ،اخلاقی اورتمدنی امراض کا علاج ہے (مگر طب تو اس میں نہیں تھا۔احسن) مگر جو ظالم اسے رد کر کے اوراس کی راہنمائی سے منہ موڑ کر اپنے اوپر آپ ظلم کریں ان کو یہ قرآن اس حالت پر بھی نہیں رہنے دیتا۔جس پر وہ اس کے نزول سے یا اس کے جاننے سے پہلے تھے۔ بلکہ یہ (قرآن) انہیں الٹا اس سے زیادہ خسارہ میں ڈال دیتا ہے۔(یعنی کافروں ، بے دینوں اور یہود ونصاریٰ سے بھی بدتر حالت میں ڈھکیل دیتا ہے اورانہیں بھکاری بنا کر چھوڑتا ہے۔احسن) اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قرآن آیا نہ تھا یا جب تک وہ اس سے واقف نہ ہوئے تھے اُن کا خسارہ محض جہالت کا خسارہ تھا۔مگر جب قرآن ان کے سامنے آ گیا اوراس نے حق وباطل کا فرق کھول کر رکھ دیا۔تو ان پر خدا کی حجت تمام ہوگئی۔اب اگر وہ اسے رد کر کے گمراہی پر اصرار کرتے ہیں۔تو اس کے معنی یہ ہیں۔کہ وہ جاہل نہیں ہیں۔ بلکہ ظالم وباطل پرست اورحق سے نفور ہیں۔اب ان کی حیثیت وہ ہے جو زہر اور تریاق دونوں کو دیکھ کر زہر انتخاب کرنے والے کی ہوتی ہے۔اب اپنی گمراہی کے وہ پورے ذمہ دار اور ہر گناہ جو اس کے بعد وہ کریں اس کی پوری سزا کے مستحق ہیں۔یہ خسارہ جہالت کا نہیں شرارت کا خسارہ ہے۔جسے جہالت کے خسارہ سے بڑھ کر ہی ہونا چاہئے'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 639 حاشیہ 102)

اور دوسری آیت کا ترجمہ بھی دیکھ لیں:

(2)''ان سے کہو یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے تو ہدایت اور شفا ہے۔مگر جولوگ

ایمان نہیں لاتے ان کے لئے یہ کانوں کی ڈاٹ اور آنکھوں کی پٹی ہے''۔

(حٰمٓ السجدہ 41/44 تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 464)

بس جناب علامہ کے لئے یہاں اسی قدر کافی ہے۔اب آپ پلٹ کر علامہ کا حروف مقطعات کے متعلق یہ فیصلہ کن مگر سراسر جھوٹا جملہ سامنے لائیں۔''یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام سے بھی ایسی کوئی روایت منقول نہیں کہ انہوں نے نبیؐ سے ان (مقطعات) کے معنی پوچھے ہوں (تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 49) علامہ پر اعتماد رکھنے والے حضرات علامہ کے اس فیصلے کے بعد تفسیر درمنثور اور تفسیر اتقان کیوں پڑھتے ؟ اس لئے علامہ نے ایک ایسی بات کہہ ڈالی جو تفسیر اتقان کے بارہ صفحات میں غلط ثابت ہے۔اور اس تفسیر کا اردو ترجمہ بھی مارکیٹ میں موجود ہے چنانچہ حصہ دوم (صفحہ 21 تا 32) وہ تمام روایات لکھی ہوئی موجود ہیں جن میں حروف مقطعات پر عہد رسولؐ سے بعد تک کے تمام سوالات وجوابات وبیانات موجود ہیں۔اور دور کیوں جایئے علامہ کا اپنا بیان کیوں نہ سن لیجئے۔:

8۔علامہ کی خیانت علامہ کے قلم سے؟

(1) ''ابن عباس ،عکرمہ ،ضحاک ،حسن بصری اور سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ اس ''یٰسٓ'' کے معنی ہیں ''اے انسان'' یا ''اے شخص'' اور بعض مفسرین نے اسے ''یا سید'' کا مخفف بھی قرار دیا ہے۔اس تاویل کی رو سے ان الفاظ کے مخاطب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 245) اور سنئے:

(2) ''اگر چہ تمام حروف مقطعات کی طرح ''ص'' کے مفہوم کا تعین بھی مشکل ہے۔ لیکن ابن عباس اور ضحاک کا یہ قول بھی دل کو لگتا ہے کہ اس سے مراد ''صادق فی قولہ''

یا ''صدق محمدؐ'' یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادق ہیں جو کچھ کہہ رہے ہیں سچ کہہ رہے ہیں۔صاد کے حرف کو ہم اردو میں بھی اسی سے ملتے جلتے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔مثلاً کہتے ہیں ''میں اس پر صاد کرتا ہوں'' یعنی اس کی تصدیق کرتا ہوں یا اسے صحیح قرار دیتا ہوں'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 319)

یہاں تک یہ تو ماننا لازم ہوگیا کہ علامہ حضور دل کی گہرائی سے رسولؐ کی اس قوم کے طرفدار و جانبدار ہیں اور قرآن کے حقائق کو چھپانے میں وہی کردار ادا کر رہے ہیں جس کی شکایت علامہ کی جانبدارانہ زبان میں رسولؐ اللہ کریں گے کہ :

''اے میرے رب میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو نشانۂ تضحیک بنالیا تھا''

(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 447)

قارئین نوٹ کریں کہ علامہ نے لفظ ''کے لوگوں'' اپنی طرف سے ترجمہ میں بڑھایا اور وہی کام کیا جو اس قوم پر الزام ہے وہاں الفاظ یہ ہیں ''یٰـرَبِّ اِنَّ قَوْمِی'' ''اے میرے رب یقیناً میری قوم نے'' مگر پوری قوم کی جگہ قوم کے کچھ لوگوں کی طرف قران کو گھمانا چاہتے ہیں۔یعنی علامہ کا فیصلہ قوم اور علامہ کے لئے : ''انہوں نے اسے اپنے ہذیان اور اپنی بکواس کا ہدف بنالیا اور اس پر طرح طرح کی باتیں چھانٹتے رہے'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 447) علامہ کو مبارک باد۔

9۔حروف مقطعات کا سرسری جائزہ اور مقام

یہاں یہ دیکھیں کہ قرآن میں حروف مقطعات کی پوزیشن کیا ہے؟ اور وہ کن سورتوں کے افتتاح میں نازل ہوئے ہیں؟ اور مفرد و مرکب کتنے حروف مقطعات قرآن

میں موجود ہیں۔ چنانچہ الف لام میم (الٓمٓ) چھ سورتوں کا افتتاح کرتا ہے۔ الف لام رے (الٓـر) پانچ سورتوں کی کُنجی ہے۔ حٰمٓ سات سورتوں کو شروع کراتا ہے۔ طٰسٓمٓ دو سورتوں کے ساتھ ہے۔ اور نو مختلف سورتوں کے افتتاح کے لئے الگ الگ اور ایک ایک مستقل حروف مقطعات آتے ہیں تفصیل حسب ذیل ہے:

نمبر	نام سورہ	مقطعات	نمبر	نام سورہ	مقطعات	نمبر	نام سورہ	مقطعات
2	البقرة	الٓمٓ	20	طٰهٰ	طٰهٰ	40	المومن	حٰمٓ
3	آل عمرانؑ	الٓمٓ	26	الشعرآء	طٰسٓمٓ	41	حم السجده	حٰمٓ
7	الاعراف	الٓمٓصٓ	27	النمل	طٰسٓ	42	الشوریٰ	حٰمٓ عٓسٓقٓ
10	یونسؑ	الٓرٰ	28	القصص	طٰسٓمٓ	43	الزخرف	حٰمٓ
11	هودؑ	الٓرٰ	29	العنکبوت	الٓمٓ	44	الدخان	حٰمٓ
12	یوسفؑ	الٓرٰ	30	الروم	الٓمٓ	45	الجاثیه	حٰمٓ
13	الرعد	الٓمٓرٰ	31	لقمانؑ	الٓمٓ	46	الاحقاف	حٰمٓ
14	ابراهیمؑ	الٓرٰ	32	السجده	الٓمٓ	50	قٓ	قٓ
15	حجر	الٓرٰ	36	یٰسٓ	یٰسٓ	68	القلم	نٓ
19	مریمؑ	کٓهٰیٰعٓصٓ	38	صٓ	صٓ	-	-	-

ان انتیس (29) سورتوں کے ساتھ تیس (30) حروف مقطعات نازل ہوئے سورہ شوریٰ کے ساتھ حٰمٓ اور عٓسٓقٓ ہیں۔

10۔ جناب علامہ رفیع الدین اعلی اللہ مقامہ کے لئے سورہ فاتحہ کا ثواب

قارئین کرام نے یہ دیکھ لیا کہ علامہ مودودی نے چند تکلفات کے بعد حروف مقطعات میں سے یٰـسٓ اور صٓ کو تسلیم تو کرلیا۔ لیکن ترجمہ میں ''یا سیدؐ'' نہیں لکھا اور تو اور

شیعہ مترجمین میں سے بھی کسی نے ترجمہ میں ''یاسیدؐ'' لکھنا پسند نہیں کیا آپ جس شیعہ سنی ترجمہ کو اٹھا کر دیکھیں گے۔ انشاء اللہ آپ کو میدان صاف ملے گا۔ حالانکہ یہ تمام حضرات ہر ایک سانس میں حضورؐ کو ''سید المرسلینؐ'' کہتے اور لکھتے رہتے ہیں۔ لیکن اگر سورہ یٰسٓ میں یٰسین کا ترجمہ ''یاسیدؐ'' نہ کیا جائے تو قرآن کی رو سے آپ سیدؐ المرسلین نہیں کہلا سکتے۔ یہی سورہ تو ہے جس سے علمائے صالحینؒ نے یہ لقب اخذ کیا ہے۔ بہر حال اس دنیا میں سب سے پہلا اردو ترجمہ تیرہویں صدی ہجری کی ابتداء میں جناب شاہ رفیع الدین اعلی اللہ مقامہ نے پیش کیا تھا۔ ان کے بعد دوسرے اردو ترجمے عالم وجود میں آئے۔ اس قدیم ترین ترجمہ سے چند آیات سورہ یٰسٓ کی ملاحظہ ہوں:

یٰسٓ o وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ o اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (36/1-3)

''اے سیدؐ، قسم ہے، قرآن محکم کی، تحقیق تو البتہ بھیجے ہوؤں میں سے ہے''

یہاں سے اور اس ترجمہ سے آپؐ سید المرسلین ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن باقی مترجمین خود اپنے عقاید سے ڈرتے ہوئے علامہ کی طرح گذرتے چلے گئے۔ اور یہ بڑی لطیف بات ہے کہ علامہ رفیع الدینؒ نے سورہ الحمد سے بھی پہلے وہ آیت (25/30) لکھی ہے۔ جس میں رسولؐ کی قوم کی شکایت کی گئی ہے۔ یعنی علامہ رفیع رحمۃ اللہ علیہ چاہتے ہیں کہ قاری پورے قرآن کے مطالعہ کے دوران اس قوم کو اور اس کے سلوک بالقرآن کو نظر کے روبرو رکھیں جس کی کوششیں آخر اُمت کو یہاں لے آئیں کہ آج ننانوے فیصد مسلمان قرآن تو بڑی چیز ہے۔ اس نماز کو نہیں سمجھتے جسے پانچ دفعہ پڑھتے ہیں۔ اور قرآن و عربی زبان سے اتنی دور ہو گئے ہیں جتنی دور زمین سے آسمان ہے۔

11۔رعب ڈالنے کے لئے کھوکھلے نعرے مارتے جاؤ ایمان نہ لاؤ۔

ان کو اس قوم کے لیڈروں نے یہ نسخہ بتا دیا تھا کہ قرآن میں غور وخوص خطرناک نتیجہ برآمد کرسکتا ہے۔اس لئے کہ اس میں آیات ''متشابہات'' یعنی وہ آیات بھی ہیں جن کے مفہوم میں:

(1) اشتباہ کی گنجائش ہے۔ایسی آیات کے مفہوم کو متعین کرنے کی جتنی زیادہ کوشش کی جائے گی۔اتنی ہی زیادہ اشتباہات واحتمالات سے سابقہ پیش آئے گا۔حتّٰی کہ انسان حقیقت سے قریب تر ہونے کے بجائے اور زیادہ دور ہوتا چلا جائے گا''۔

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 234)(خلاصہ حاشیہ نمبر 6)

اس خطرہ سے بچنے کے لئے کہا گیا کہ تمہارا کام یہ ہے کہ قرآن کو بلا سمجھے پڑھتے رہو اس کی قرات کا ہر حال میں ثواب ہوتا ہے۔اس کی سطروں پر انگلی پھرانے سے بھی تلاوت کا ثواب ہو جاتا ہے۔اس کی حد بھر تعظیم کرو کھولو تو بوسہ دو۔ہرگز اس کی طرف پشت نہ کرو ہمیشہ عمدہ جزدان میں بلند سے بلند مقام پر رکھو۔رہ گیا عمل تو تم سب دانشورانِ قوم اور مجتہدین کی تقلید کرو، جو وہ کہتے ہیں وہ قرآن اور رسولؐ کا حکم ہے۔نماز پابندی سے پڑھو نماز اور قرآن کے فضائل بیان کرو۔زور شور سے اعلان کرو کہ قرآن میں:

(2) ''کوئی تضاد واختلاف نہیں ہے۔پوری کتاب اول سے آخر تک ایک ہی مدعا، ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی نظام فکر وعمل پیش کرتی ہے۔اس کا ہر جز دوسرے جز کی اور ہر مضمون دوسرے مضمون کی تصدیق وتائید وتوضیح وتشریح کرتا ہے اور معنی وبیان کے لحاظ سے اس میں کامل یکسانی (Consistency) پائی جاتی ہے''۔

(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 369) اور زور سے ڈھنڈورا پیٹو کہ :

(3) ''اس میں اینچ پینچ کی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ کہ عام آدمی کے لئے اس کو سمجھنے میں کوئی مشکل پیش آئے۔ بلکہ صاف صاف سیدھی بات کہی گئی ہے''۔

(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 369)

قارئین سوچیں کہ علامہ کے ان تینوں بیانات میں کس بیان کو سچا کہا جا سکتا ہے؟ یہ تھا وہ طریقہ جو رسولؐ کی قوم نے جاری کیا تھا۔ اسے جب ضرورت پڑتی تھی قرآن مفصل ضابطہ حیات بن جاتا تھا۔ دوسری مصلحت کے ماتحت وہ ایک ناقص و نامکمل کتاب رہ جاتی تھی تا کہ گھریلو احکام جاری کرنے کا موقع موجود رہے۔ لوگوں کا منہ بند کرنے کے لئے اس کی آیات خطرناک ہو جاتی تھیں۔ گمراہی کا اندیشہ رہتا تھا۔ تا کہ دانشوران کا من مانا حکم چلے۔ اسی قسم کے اسباب تھے۔ جن کی وجہ سے حروف مقطعات اور فضائل اہلبیتؑ کی آیات کو متشابہات کہا گیا۔ ان کے معانی کو غائب کیا گیا اور مطالب کو بدلا گیا تھا۔ چونکہ اس قوم نے کہا تھا کہ : ''یہ نبوتؐ بنی ہاشم کے اقتدار کو عربوں پر لادنے کے لئے اٹھی ہے'' تا کہ عرب ایمان نہ لائیں۔ لیکن نبوتؐ نے ان کے تمام سیاسی نعروں سے بچ کر اپنی راہ اختیار کی اور عرب دھڑا دھڑ اسلام لاتا چلا گیا تو قوم کے لیڈروں نے قومی محاذ بنانے کے لئے ''نبوت اور خلافت ایک خاندان میں نہیں رہے گی'' کا نعرہ شروع کیا۔

12۔ الٓمٓ کا پردہ نورؑ کو نمایاں کرتا ہے

الغرض 'الف لام میم' کا ہلکا سا پردہ اسی قوم کے لیڈروں کی آنکھوں پر ڈالا گیا تھا۔ تا کہ وہ قومی تعصب کو ہوا نہ دے سکیں اور انہیں '' تَـوْرِیَّـہ '' کے چکر میں ڈال دیا جائے۔

اور بقول علامہ وہ سب کچھ سمجھتے تھے۔لیکن پبلک کے سامنے کھل کر نہ کہہ سکتے تھے کہ یہاں محمدؐ نے اپنی آلؑ کو ہم پر مسلط کر دیا ہے۔اس لئے کہ کسی قومی دلیل سے یہ ثابت کرنا ان کے لئے ناممکن تھا کہ یقیناً ''الٓمٓ'' سے آل محمدؐ ہی مراد ہے۔اس لئے کہ اس کے ایک معنی یہ بھی گشت کر رہے تھے۔کہ ''الٓمٓ'' کے الف کا مطلب اَلاءَ اللّٰہ ہے۔یعنی خدا کی نعمتیں مقصود ہیں۔حالانکہ آل محمدؐ واقعی اَلاء اللّٰہ بھی تھے۔اور کہا جا رہا تھا کہ ''لام'' سے لطف اللّٰہ مراد ہے اور ''میم'' سے مجداللّٰہ یعنی اللہ کی بزرگی مقصود ہے (تفسیر درمنثور)۔لہٰذا وہ مومنین جو قومی لیڈروں کے خفیہ منصوبے (عمران ۳/۱۵۴) کو بے اثر کرنے پر تعینات تھے۔وہ ''الٓمٓ'' کا تحفظ کرتے رہتے تھے اور ایسے معنی بیان کر دیتے تھے جو اہل بیتؑ کے دوسرے القابات ہوتے تھے اور یوں قومی دانشور سر پکڑ کر اور ہاتھ چبا کر رہ جاتے تھے۔اور تبلیغ آگے ہی آگے بڑھتی چلی جاتی تھی۔قارئین حروف مقطعات کے نقشے کو دیکھیں کہ جہاں جہاں بھی الٓمٓ آیا ہے وہاں دو مدّ موجود ہیں۔اور الٓمٓ میں لفظ ''آل'' صاف دکھائی دیتا ہے۔پھر الٓمٓ کے میم پر تشدید بھی ہے اور مدّ بھی ہے۔یہ حضورؐ کے نام۔محمدؐ۔کے درمیانی یا دونوں میم کو ظاہر کرتا ہے لہٰذا آل م م ہی آل محمدؐ ہے۔پھر تمام حروف مقطعات میں۔حٰمٓ۔کے علاوہ جہاں بھی حرف میم آیا ہے تشدید اور مدّ کے ساتھ آیا ہے اور سب جگہ یہ حضورؐ کے نام کا مخفف ہے۔

13۔ذٰلِکَ کے معنی اور قرآن و آل محمدؐ (الٓمٓ) کا فرق؟

الٓمٓ سے آل محمدؐ کا تعین روایات و بدیہات ہی سے نہیں بلکہ سورہ بقر کی اولین پانچ آیات سے بھی ثابت ہے۔شرط وہی ہے کہ قرآن کے الفاظ کے لغوی مصدری اور حقیقی معنی

میں ردوبدل نہ کیا جائے۔ لہٰذا دنیا کے کسی بھی عربی دان سے لفظ ''ذٰلِکَ'' کے معنی پوچھئے حد یہ ہے عربی کی ابتدائی جماعت کا ہر طالب علم ذٰلِکَ کے معنی ''وہ'' بتائے گا اور ''ھٰذا'' کے معنی ''یہ'' بتائے گا۔ اور کہے گا کہ ذٰلِکَ اسم اشارہ مذکر بعید ہے اور ھٰذا اسم اشارہ مذکر قریب ہے۔ چونکہ الٓمٓ کو پہلی آیت مان کر اور نمبر دے کر بھی سلسلہ کلام سے الگ کر دیا گیا اس لئے ان کو ذٰلِکَ کے معنی ''یہ'' یا ''اِس'' کرنا پڑے۔ اور ان معنی نے ''ذٰلِکَ الْکِتٰبُ'' کو ایک دم۔ یہ کتاب یا اِس کتاب بنا دیا۔ اور بات یہ ہوگئی کہ ''اِس کتاب'' کا مطلب یہ قرآن ہے۔ بس یہاں سے پٹڑی بدلی اور گاڑی ان اسٹیشنوں پر پہنچ گئی جہاں جا کر قومی انجن فیل ہوگیا۔

(13، الف) ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْهِ:

اور سب نے کہہ دیا کہ ''یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں'' (مودودی) ''یہ کتاب نہیں شک بیچ اس کے'' (رفیع الدین) بہرحال ہوا یہ کہ قرآن اور اہلبیتؑ چونکہ ایک دوسرے کے شریک کار اور ردیف ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے محافظ ہیں۔ اور جہاں ضرورت پڑتی ہے۔ ایک دوسرے کے لئے سینہ سپر رہتے ہیں۔ لہٰذا یہاں قرآن آگے بڑھا اور سیاسی لیڈروں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر کے اہلبیتؑ پر الٓمٓ کا پردہ تان دیا۔ اور سیاسی گاڑی چلتی رہی۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ کیا واقعی اس قرآن میں کسی کو شک نہیں ہوا؟ علامہ نے ابھی ابھی مانا تھا کہ اس قرآن میں آیات متشابہات ہیں۔ جن کے معنی میں اشتباہ یعنی شک وشبہ موجود ہے اور ان میں زیادہ غور وخوض کرنے سے گمراہی کا اندیشہ ہے۔ مسلمانوں میں سینکڑوں فرقوں کا وجود ان کے قرآن میں شک کا ثبوت ہے۔ مسٹر پرویز سے

پوچھئے اور تفسیر اتقان وغیرہ دیکھئے کہ مسلمان کو مسلمان رہتے ہوئے ساری اقوام سے زیادہ قرآن میں شک رہا۔ ترتیب میں شک ۔ تنزیل میں شک، آیات کی تعداد میں شک ۔ زیر وزبر میں شک، حروف مقطعات میں شک، ناسخ ومنسوخ وتفصیلات میں شک۔ تمام غیر مسلموں کو شکوک وانکار ۔ اس سب کو چھوڑیئے اور قرآن کا فیصلہ سنئے۔

وَإِنْ كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (2/23)

(1) ''اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اُتاری ہے۔ یہ ہماری ہے یا نہیں؟ تو اس کے مانند ایک ہی سورہ بنالاؤ (تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 57)

آپ نے دیکھ لیا کہ نزول قرآن کے ساتھ ہی قرآن پر شکوک شروع ہو گئے تھے۔ اور سنیے:

وَإِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ (11/110)

(2) ''یہ واقعہ ہے کہ یہ لوگ اس کی طرف سے شک اور خلجان میں پڑے ہوئے ہیں۔''

اور اس کی وضاحت یہ کی ہے کہ:

''(3) یعنی یہ کوئی نئی بات نہیں کہ آج اس قرآن کے بارے میں مختلف لوگ مختلف قسم کی چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔ بلکہ اس سے پہلے جب موسیٰؑ کو کتاب دی گئی تھی تو اس کے بارے میں بھی ایسی ہی مختلف رائے زنیاں کی گئی تھیں۔ لہٰذا اے محمدؐ! تم یہ دیکھ کر بددل اور شکستہ خاطر نہ ہو کہ ایسی سیدھی سیدھی اور صاف باتیں قرآن میں پیش کی جارہی ہیں اور پھر بھی لوگ ان کو قبول نہیں کرتے'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 370) اور سنیے ارشاد ہے۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ (22/55)

(4) ''انکار کرنے والے تو اس کی طرف سے شک ہی میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ یا تو

ان پر قیامت کی گھڑی اچانک آ جائے‘‘ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 245)

وَإِنَّ الَّذِيْنَ أُوْرِثُوْا الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ (42/14)

(5) ’’اور حقیقت یہ ہے کہ اگلوں کے بعد جو لوگ کتاب کے وارث بنائے گئے وہ اس کی طرف سے بڑے اضطراب انگیز شک میں پڑے ہوئے ہیں‘‘ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 494)

(13۔ب) قران سے ثابت ہو گیا کہ قرآن پر شکوک ہوئے اور قیامت تک ہوں گے۔

یہاں پہلے یہ نئی بات نوٹ کر لیں۔ کہ علما نے لفظ ’’ریب‘‘ کے غلط معنی کئے ہیں ’’شک‘‘ تو خود عربی زبان کا لفظ ہے اور ’’ ریب ‘‘ کے معنی شک کرنا خود مترجم کے معنوی شک کو ثابت کرتا ہے۔ لہٰذا دیکھ لیں کہ علامہ نے ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْہِ میں رَیْبَ کے معنی شک کئے تھے۔ لیکن آیت (2) میں مُرِیبٍ کے معنی ’’خلجان‘‘ کئے ہیں۔ اور آخری آیت (5) میں اضطراب کے معنی ٹھونس دیئے۔ حالانکہ۔ خلجان اور اضطراب دونوں خود عربی کے اور مختلف معنی رکھنے والے الفاظ ہیں۔ پھر چوتھی آیت میں ایک بالکل ہی مختلف لفظ ’’مِرْیَۃٍ‘‘ آیا اس کے معنی بھی شک کر لئے ہیں۔ ثابت ہوا کہ علامہ بھی قران کے معاملہ میں مشکوک ہیں۔ ذرا اس جملہ کا فرق بتایئے کیا ہے؟

1۔ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ (11/110) خلجان میں پڑے ہوئے ہیں‘‘

2۔ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ (42/14) اضطراب انگیز شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

نوٹ کریں کہ قرآن میں معنوی تحریف کرنا علامہ کے مذہب میں واجب ہے (25/30)

لطیفہ : چونکہ رسولؐ کی قوم کی ہجرت والی اسکیم سورہ فرقان کی تیسویں آیت میں مذکور ہے اور سورہ فرقان کا سلسلہ نمبر پچیس 25 ہے۔ لہٰذا (25/30) کو اگر مختصر کر لیں تو

5/6=25/30 رہ جاتا ہے اور یہیں سے تو ''شش و پنج'' کی ترکیب نکلتی ہے۔ ''علامہ شش و پنج میں ہیں''، یعنی الجھن یا ریب میں مبتلا ہیں اور یہی سبب ہے کہ ہم ''رَیْبَ'' کے معنی الجھن یا شش و پنج کرتے ہیں اور تقاضہ کرتے رہیں گے کہ قرآن کے الفاظ سے بازی گری یا جگلری (Jugglery) نہ کی جائے۔

ہمارے علامہ اور قرآن کے بیانات سے ثابت ہو گیا کہ جس کتاب کو ''ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ (2/2)'' فرمایا گیا ہے۔ وہ کتاب ہرگز قرآن نہیں ہے اس لئے کہ قرآن پر تو خود علامہ کو بھی شک و شبہات و اشتباہات ہیں۔

14۔ الٓمّٓ یا آلِ محمدؐ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ ہیں۔

اگر الٓمّٓ کو آلِ محمدؐ یا بامعنی لفظ سمجھا گیا ہوتا۔ اگر ذٰلِکَ کے معنی تبدیل نہ کئے ہوتے تو بات بلاشک و شبہ یہ فرمائی گئی تھی کہ:

الٓمّٓ O ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ O(2-1/2)

''آلِ محمدؐ ہی وہ کتاب ہے جس میں کوئی الجھن یا شش و پنج نہیں'' ساری دنیا میں کبھی کسی شخص کو اس حقیقت پر کبھی الجھن یا شک و شبہ یا مغالطہ نہیں ہوا کہ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ آلِ محمدؐ ہیں۔ یہ تو ہوا کہ قومی (25/30) ضروریات کی بنا پر کچھ اور لوگوں کو بھی آلِ محمدؐ میں داخل کرنے کی کوشش کی گئی لیکن علیؑ، فاطمہؑ اور حسنین علیہم السلام کو کسی نے آلِ محمدؐ سے خارج نہیں کیا۔ رہ گیا انہیں ''الْکِتٰبُ'' فرمانا؟ آگے بڑھنے سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔

(14۔الف) قرآن کو لاشعوری طور پر بے کار ثابت کر دیا گیا ہے۔

آپ یہاں تو یہ دیکھیں کہ علما نے '' ذٰلِکَ الْکِتٰبُ '' کے معنی یہ کتاب اور یہ قرآن تو

کر لیے مگر اس پر غور کرنا غیر ضروری سمجھا کہ ’’ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ ‘‘ کا کام کیا ہے؟ اور قرآن کا کام کیا ہے؟ قارئین جانتے ہیں اور قرآن میں لکھا ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن نے عربوں کو اٹھنا بیٹھنا، ملنا جلنا، سلام کرنا، دوسروں کے گھروں میں آنا جانا، شادی بیاہ، بچوں کی پرورش، ہاتھ منہ دھونا، نہانا، پاک رہنا، وضو کرنا، تیمّم کرنا، واجبی وسنتی غسل کا فرق، لباس کا استعمال، شرم وحیا کا خیال، نماز پڑھنا روزے رکھنا، حج وعمرہ بجالانا، ایمان وکفر کے فوائد اور نقصانات، ایمان کی شرطیں، جہاد اور دفاعی جنگ کے اصول الغرض ابتدائی تعلیم سے لے کر تقویٰ کے انتہائی مقام تک تعلیم دی۔ عملاً کر کے دکھایا۔ بڑے بڑے سرکشوں کو متقی اور ذمہ دار بنایا۔ الغرض وہ سب کچھ سکھایا جو سورہ بقر کی پانچویں آیت تک بیان کیا گیا ہے۔ آنحضرتؐ کی تعلیم سے پہلے عرب نہ متقی تھے، نہ غیب پر ایمان رکھتے تھے نہ غیبت سے واقف تھے، نہ نمازی تھے، نہ زکواۃ دیتے تھے نہ فلاح عامہ کا کام کرتے تھے۔ نہ قرآن پر ایمان تھا نہ سابقہ کتابوں پر ایمان لائے تھے۔ نہ قیامت کا یقین رکھتے تھے۔ رسولؐ اور قرآن نے آ کر عربوں کو یہ سب کچھ بتایا سمجھایا یقین دلایا اور عمل کرایا۔ یہ باتیں ٹھیک سے سمجھنے والوں کو یہ سوچنا چاہئے کہ جس کتاب کو ’’ذٰلِکَ الْکِتٰبُ ‘‘ فرمایا گیا ہے۔ وہ تو ان لوگوں کی ہدایت کے لئے ہے جو پہلے سے متقی وپرہیز گار وذمہ دار ہوں۔ 2۔ اور متقی بھی ایسے ہوں کہ غیبت پر ایمان لا چکے ہوں۔ 3۔ نمازیں قائم کیے ہوئے ہوں۔ 4۔ اور تمام ضرورتمندوں محتاجوں اور بے سہارا لوگوں کی حاجت براری میں مصروف رہتے ہوں۔ 5۔ قرآن اور قرآن کے علاوہ جو کچھ بھی رسولؐ اللہ پر اتر چکا ہوا سے جانتے اور اس سب پر ایمان رکھتے ہوں۔ 6۔ اور سابقہ تمام کتابوں پر اور ہر اس چیز پر

ایمان رکھتے ہوں جو سابقہ انبیاءؑ اور متعلقین علیہم السلام پر نازل ہوئی تھی۔ 7۔ قیامت میں جو کچھ ہوگا اس پر یقین حاصل کر چکے ہوں۔ ان تمام منازل سے گزر چکنے والے کامیاب لوگ وہ لوگ ہیں جن کو وہ کتاب (ذٰلِکَ الْکِتٰبُ) یا آل محمدؐ یہاں سے آگے راہنمائی کرے گی۔ اور انسانوں کو تکمیل ذات اور تسخیر کائنات وقوانین کے لئے راہنمائی وہدایت کریں گے۔ اور نوع انسان کو لامحدود حیات وقدرت فراہم کر کے کُن فیکون کے آخری مقام پر فائز کریں گے۔ یعنی اُس کتاب یا آل محمدؐ کی تعلیم کا ''الف'' وہاں سے شروع ہوگا۔ جہاں ختم نبوّت تک تمام انبیاء ورُسُل علیہم السلام کی تعلیم کی ''ے'' ختم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اب قیامت تک نظام ولایت علوّیہ تمام سابقہ تعلیمات کے نتائج مرتب کرنا سکھائے گا اور ان تمام آفاقی قوتوں کو نوع انسان کی تائید وتقویت پر لگائے گا جو اکثر وبیشتر ترقی میں حادثاتی رکاوٹ بن جاتی تھیں۔ اب کائنات کی ہر مخلوق کو تعاون وترقی میں شریک کیا جائے گا۔ اب زمین وآسمان کی ہر چیز نظروں کے سامنے آجائے گی سربراہ اسلام علیہ السلام پر تمام پوشیدہ خزانے اور دفینے ظاہر ہو جائیں گے اور نوع انسان کو ترقی کے منتہائے کمال پر فائز کر دیا جائے گا۔ (اَللّٰھُمَّ صَلِّ علٰی مُحمدٍ وّآل محمدٍ)

یہ تھی وہ کھلی کتاب جسے قرآن ناطق مانا گیا۔ جسے صراط المستقیم فرمایا گیا جو اس کائنات کے متعلق ہر چیز بتانے کے ذمہ دار رہے جن کے لامحدود علم وفضل کا جانی دشمنوں نے بھی انکار نہ کیا۔ مسئلہ خلافت ایک قومی جھگڑا تھا۔ جسے حاصل کرنا قوم کے لئے ضروری ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ آل محمدؐ کی ہر فضیلت کو مانا گیا۔ اور مانا جاتا رہا کسی کو علم وفضل وکمالات وکرامات میں ان کے برابر نہیں لایا جاسکا۔ ان ہی کے لئے یہ دعا مانگی گئی کہ:

''خدایا تو مجھے اس گھڑی کے لئے زندہ نہ رکھنا جس میں میری ہدایت کے لئے علیؑ موجود نہ ہوں'' (خلیفہ ثانی)

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ کے معنی قرآن سمجھنا انتہائی حماقت و ناسمجھی کی بات ہے۔ جس طرح سورہ فاتحہ محمدؐ و آل محمدؐ کے فضائل سے لبریز ہے اور قرآن کا افتتاح کرتی ہے۔ اسی طرح سورہ آلِ عمران، سورہ عنکبوت، سورہ روم، سورہ لقمان، سورہ سجدہ اور سورہ بقرہ آل محمدؐ (الٓمٓ) کے تعارف سے شروع ہوتی ہیں۔ اور یہی سورہ ہے جو ابتدائے رسالتؐ سے انتہائے رسالتؐ تک برابر سنائی جاتی رہی۔

حروف مقطعات کے معانی بحوالہ ''معانی الاخبار'' (مؤلف شیخ صدوق مترجم دلاور حسین حجتی صفحہ 61)

امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''سورہ بقرہ کے شروع میں آنے والا'' الٓمٓ '' کے معنی انا اللّٰہ الملک ''میں اللہ ہوں جو کہ بادشاہ ہوں'' اور آل عمران کے شروع میں آنے والے الٓمٓ کے معنی ہے انا اللّٰہ المجید ''میں اللہ ہوں جو کہ بغیر استحقاق کے عطا کرنے والا ہوں'' اور ''**المص**'' کے معنی ہیں کہ ''انا اللّٰہ المتقدر الصادق ''یعنی ''میں اللہ ہوں جو کہ اقتدار رکھنے والا اور صادق ہوں'' اور ''**الر**'' کے معنی ہے ''انا اللّٰہ الرؤف ''''میں اللہ ہوں جو کہ مہربان ہوں'' اور ''**المر**'' کے معنی ہے ''ان اللّٰہ المحیی المیت الرزاق ''''میں اللہ ہوں جو کہ زندہ کرنے والا، مارنے والا اور رزق دینے والا ہوں'' اور ''**کھیعص**'' کے معنی ہیں ''انا الکافی الھادی الولی العالم الصادق الوعد ''''میں کفایت کرنے والا، ہدایت کرنے والا سرپرستی کرنے والا علم رکھنے والا اور وعدے کا سچا ہوں'' اور ''**طٰہٰ**'' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموں میں سے

ایک نام ہے اوراس کے معنیٰ ''**یا طالب الحق الهادی الیه** ''''اے حق کے طلب کرنے والے اورحق کی جانب ہدایت کرنے والے'' ہم نے قرآن کوتم پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم زحمت میں پڑ جاؤ بلکہ اس لئے کہ تم اس کے ذریعے ہدف حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاؤ اور''**طس** ''کے معنی ہیں''**انا الطالب السمیع** ''''میں طلب کرنے والا، سننے والا ہوں''اور''**طسم** ''کے معنی ہیں''**انا الطالب المبدی المعید** ''میں طلب کرنے والا، سننے والا اور بغیر کسی وسیلے کے خلق کی ابتدا کرنے والا ہوں اوراس کو لوٹانے والا ہوں۔اور''**یٰسٓ** ''یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کے معنی ہیں''**یاایها السامع للوحی** ''**والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین علیٰ صراط مستقیم** (سورہ یٰسٓ)(اے وحی کے سننے والے،قرآن حکیم کی قسم یقیناً تم مرسلین میں سے ہو،صراط مستقیم پر)اور''**ص** ''تو یہ ایک چشمہ ہے جو عرش کے نیچے بہہ رہا ہے اور یہ وہی ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کے موقع پر وضو کیا تھا اور اس میں جبرئیلؑ روزانہ ایک دفعہ داخل ہوکر غوطہ لگاتے ہیں پھراس سے باہر آتے ہیں اور اپنے بالوں کوحرکت دیتے ہیں پس ان کے بالوں میں سے کوئی قطرہ نہیں گرتا۔مگر یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے ایک فرشتے کوخلق فرماتا ہے جو اللہ کی تسبیح وتقدیس وتکبیر وتحمید قیامت تک کرتا رہے گا اور''**حم** ''تو اس کے معنی ہیں''**الحمید المجید** ''(وہ جو قابل حمد ہے بزرگوار ہے)اور''**حمعسق** ''تو اس کے معنی ہیں''**الحلیم المثیب العالم السمیع القادر القوی** ''(وہ حلیم وبردبار،ثواب عطا کرنے والا،علم رکھنے والا، سننے والا،قدرت والا اورقوت والا ہے)اور''**ق** ''تو یہ ایک ایسا پہاڑ ہے کہ جس نے زمین کا احاطہ کیا ہوا ہے

اسی سے آسمان کی شادابی ہے اور اسی کے ذریعے اللہ نے زمین کو اہل زمین پر گرا دینے سے روکے رکھا ہے) اور ''ن'' تو یہ ایک نہر ہے جنت میں، اللہ عزوجل نے (اس نہر سے) فرمایا ''جم جا'' تو وہ جم گئی اور روشنائی میں منتقل ہوگئی پھر اللہ عزوجل نے قلم سے فرمایا ''لکھ'' تو قلم نے لوح محفوظ میں جو کچھ ہو چکا ہے اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اسے تحریر کر دیا، تو پس روشنائی نور کی روشنائی ہے اور قلم نور کا قلم ہے اور لوح نور کی لوح ہے''۔

قارئین کرام! آگے بڑھنے سے پہلے ہم آپ کو باور کرا دیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن المجید الحکیم دونوں ان کی نام نہاد قوم اور بارہ آئمہ اہل بیتؑ کے لئے تمہید ہیں۔ اس کے لئے ہم حروف مقطعات میں '' الٓمٓ '' کے بعد '' حٰمٓ '' کی تفسیر بیان کریں گے۔

محمد مصطفیٰ اور قرآن، ان کی نام نہاد قوم اور بارہ آئمہؑ اہل بیت کے لئے تمہید۔

سورۃ المومن کی پہلی آیت '' حٰمٓ '' سے شروع ہوتی ہے اور مسلسل یکے بعد دیگرے سات عدد سورتوں کی ابتدا لفظ ''حٰمٓ'' (ح اور م) سے ہوتی ہے ان سات سورتوں کے بعد سورہ ''محمدؐ'' ہے یہ صورت حال ایک حساس قاری کی توجہ جذب کرتی ہے اور یہ سوچنے کا تقاضا کرتی ہے کہ سورۂ محمدؐ سے پہلے یہ کیوں ضروری ہوا کہ سات مرتبہ ہر سورت سے پہلے لفظ ''محمدؐ'' کے حروف میں سے دو حروف آتے رہیں؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حروف ح اور م حمید اور مجید سے لئے گئے ہیں اور اس کے ثبوت میں قول معصومؑ بھی پیش کیا گیا ہے۔ جس کے لئے ہم یہ عرض کریں گے کہ یہ قول معصومؑ اسی مصلحت کے ماتحت ہے جس کے تحت یہ فرمایا گیا کہ ''جو شخص صرف لا الہ الااللہ کہہ دے اس کے لئے جنت واجب ہوگئی ہے''

اور پھر یہ اعلان حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی کرانا چاہا تھا۔لیکن حضرت عمرؓ نے ابو ہریرہؓ کی پٹائی کی تھی اور انہیں واپس بھگا دیا تھا۔اور رسوؐل اللہ کو ہدایت کی تھی کہ جناب اگر آپؐ یہ اعلان عام کرادیں گے تو لوگ اعمال کا بجالانا چھوڑ دیں گے۔اور مذکورہ بالا مصلحت ہی کے لئے رسوؐل نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ورنہ قرآن کا حکم ایسے شخص کو دین سے خارج کرتا ہے جو رسوؐل کے حکم کو نافذ ہونے سے روکے مگر حضوؐر نے مصلحت پر عمل کیا تھا۔اور مزے کی بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسی قسم کی حرکت پر ایک مسلمان ہو چکنے والے غسانی بادشاہ کو ایک عام آدمی سے پٹوانے کا حکم نافذ کیا تھا۔جس کی وجہ سے وہ مسلمان بادشاہ ملک روم چلا گیا تھا اور بقول تاریخ عیسائی ہو گیا تھا۔اگر حضرت عمرؓ بھی وہ مصلحت اختیار کرتے جس کے ماتحت رسوؐل اللہ نے انہیں ماخوذ نہ کیا نہ دین سے خارج ہونے کا حکم صادر کیا نہ حضرت ابو ہریرہؓ کو دھکا دے کر گرا دینے کے بدلے میں انہیں ابو ہریرہؓ سے پٹوایا تو جس طرح وہ اسلام کے دامن میں لپٹے رہ گئے اسی طرح غسانی بادشاہ جبلہ بھی (بقول قومی تاریخ) اسلام سے نہ نکلتا اور کم از کم حضرت عمرؓ جیسا مسلمان تو ضرور رہتا۔پھر سب سے مزے کا لطیفہ اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ جنگ خیبر کے بعد اسلام لائے تھے۔یعنی 7 ہجری تک حضوؐر **لا الٰہ الا اللہ** کے ساتھ اپنا نام رسوؐل کی حیثیت سے بیان نہ کر سکتے تھے یعنی آپ نے مصلحتاً **محمدؐ رسوؐل اللہ** کو کلمہ میں شامل کرنے پر اصرار نہ کیا تھا۔لہٰذا معصومین علیہم السلام کے بہت سے بیانات مصلحتوں کے ماتحت ہوا کرتے تھے مگر اہل ایمان کے لئے غلط نہ ہوتے تھے۔چنانچہ حمید و مجید والی تفسیر بھی اس لئے صحیح ہے کہ محمدؐ کا ذکر خود اللہ (حمید و مجید) کا ذکر ہے۔محمدؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ان کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ان کا

مداح اللہ کا مداح ہے۔اللہ نے مجید (صاحب عزت و بزرگی) ہوتے ہوئے رسولؐ کی تعظیم و وقار و بزرگی اور حمد و ثناء و تسبیح کرنے کا حکم دیا ہے (فتح 48/9)۔اور ساتھ ہی ہم یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ اللہ کو چونکہ تمام مخالفینِ محمدؐ و آل محمدؐ پہلے سے اور اعلانیہ مانتے تھے۔لہٰذا اللہ کے لئے کسی اشارے اور کنایہ کی ضرورت تھی ہی نہیں اور یہی وجہ ہے کہ قرآن میں اللہ کے متعلق ہر صفت اعلانیہ بیان کی گئی اور اللہ کے حمید و مجید وغیرہ ہونے پر عربوں کو کوئی اعتراض نہیں رہا تھا۔قریش کو اعتراض تو اس حقیقت پر تھا کہ محمدؐ وحدانیت کی آڑ میں اُن کے لیڈروں، بزرگوں اور علماء کو اللہ کے دربار حکومت سے خارج کر کے خودؐ کو اور علیؑ و اولاً دعلیؑ کو حکومت الٰہیہ میں کرسی نشین بنائے دے رہے ہیں قریش نے کھل کر یہ الزام بھی لگایا اور اس کا یقین بھی رکھا کہ ''محمدؐ خاندانی محبت سے مغلوب ہو کر ایسا کر رہے ہیں حالانکہ اللہ کا منشا یہ نہیں ہے'' چنانچہ آج تک قریش کے ہم مذہب مسلمان یہی عقیدہ اور عمل رکھتے ہیں وہ حکومت الٰہیہ کو جمہوری یعنی قوم اور قومی لیڈروں کی وساطت سے چلانے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور جمہوری یعنی قوم اور قومی لیڈروں کی وساطت سے چلانے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور جمہوری حکومت کے لئے آج تک کوشاں رہتے چلے آئے ہیں۔اور ان کا یہ فیصلہ کہ خاندانِ نبوت میں حکومت الٰہیہ کو نہ رہنے دیا جائے تاریخی ریکارڈ و عمل میں موجود ہے۔

(الفاروق حصہ اوّل صفحہ 103)

لہٰذا حروف ''ح'' اور ''م'' ہی نہیں بلکہ حروفِ مقطعات میں سے کوئی حرف براہِ راست اللہ کے لئے استعمال نہیں کیا گیا اور نہ اس کی ضرورت تھی اور بلا ضرورت اور غیر حکیمانہ کام اللہ کی طرف سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(1۔الف) حروف ''ح'' اور ''م'' کا محمدؐ کے حروف ہونا' دوسرا بیان و دلیل

اللہ نے تو اپنی حکمت سے یہ انتظام فرمایا ہے کہ قریشی لیڈروں کی بھرپور مذمت بھی کی جائے اور ان ہی کے ہاتھوں قرآن کی اشاعت بھی کرائی جائے۔اس عظیم مقصد پر اس ترتیب کا پردہ ڈال دیا جو آپ برابر دیکھتے چلے جارہے ہیں یعنی کسی ایک آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ:

''1۔قریش اسلام اور رسولؐ کے دشمن ہیں۔2۔قرآن کو تمام قریشیوں نے جھٹلایا ہے اور۔ 3۔تمام قریشیوں نے قرآن کو مہجور کیا ہے۔4۔تمام قریش ہرگز قیامت تک ایمان نہ لائیں گے۔5۔تمام قریش لعنتی اور جہنمی ہیں۔''

مگر یہ پانچوں فیصلے بار بار قرآن نے ایسی حکمت عملی سے لکھ دیئے کہ قریشی علما کے لئے تاویل اور معنوی تبدیلی کی گنجائش رہی۔کہیں انہوں نے اپنی جگہ منافقوں کو آگے بڑھا دیا کہیں بعض مسلمان کہہ کر بات ٹال دی کہیں قریش کے ضعیف العقیدہ عوام کو بھینٹ چڑھا دیا۔اسی حکمت عملی کی ضرورت تھی محمدؐ اور علیؑ واولاً دعلیؑ کے لئے لہٰذا جس طرح قریش کی مذمت میں کوئی خامی نہیں چھوڑی۔اسی طرح محمدؐ وآل محمدؐ کے فضائل ومناقب وحمد وثنا اور ان کے مقامات عالیہ کو بار بار پیش کیا مگر ایک جگہ نہیں نام لے کر بھی بیان کیا مگر بھونڈے طریقے پر نہیں۔ایسی ترتیب رکھی ہے کہ انسانی عقول کے لئے ایسی ترتیب دینا تو الگ اس ترتیب کو سمجھنا بھی مشکل ہے اسی لئے بار بار کہا کہ قرآن ایک دانشور قوم کے لئے ہے۔قرآن بات کی تہہ تک پہنچنے والوں (اولواالالباب) کے لئے ہے۔قرآن مفکرین کے لئے ہے۔ قرآن میں تدبر وتفکر کرو۔قرآن میں معجزات کی بھرمار ہے۔لہٰذا محمدؐ وآل محمدؐ ہی وہ ہستیاں ہیں جن کی شان بیان کرنے کے لئے حروف مقطعات واستعارات واشارات ومجازات

وغیرہ استعمال ہوئے۔ان ہی لوگوں کے لئے فرمایا گیا ہے کہ:وَاِنَّـــهٗ لَـذِكْـرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ (زخرف 43/44) یعنی ''یہ قرآن تو تیرے اور تیری قوم کے ذکر کی کتاب ہے اور عنقریب تم دونوں سے سوالات و باز پرس ہونا ہے'' (زمانہ رجعت میں یہی باز پرس ہوگی) معلوم ہوا کہ قرآن آنحضرتؐ اور ان کی مخاطب قوم کو محور بنا کر ان ہی دونوں کے چاروں طرف گھومتا ہے۔رہ گیا اللہ دیگر انبیاء دیگر اُمتیں اور قیامت تک آنے والی لوگ ان کے تذکرے اسی قوم کو ہدف بنا کر اور اسی قوم کی مثالیں دے کر اور اسی قوم کے حالات سنا کر اور رسولؐ و آلؑ رسولؐ کے ساتھ اسی قوم کا سلوک دکھا کر کئے گئے ہیں۔ان کی گمراہی کی مثالیں دیں تا کہ دوسرے لوگ گمراہ نہ ہوں۔ان کی مکاریوں اور منصوبوں کا حال بیان کیا کہ لوگ آئندہ ان کی راہ اختیار نہ کریں لہٰذا حروفِ مقطعات ان ہی دونوں سے متعلق ہونا چاہئیں۔جن کے لئے یہ قرآن پہلے درجہ میں نازل کیا گیا ہے۔ چنانچہ حروف ''ح'' اور ''م'' محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے لئے گئے ہیں۔ یہاں یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ:

(1۔ب) حروف کے انتخاب میں بارہ آئمہ کو ملحوظ رکھا ہے۔

لفظ ''محمدؐ یام۔ح۔م۔د'' میں سے درمیانی حروف کیوں لئے گئے؟ شروع کے دو حرف ''م'' اور ''ح'' کیوں نہ لئے گئے؟ پہلا جواب یہ ہے کہ پہلے دونوں حروف لینے سے بات فوراً ظاہر ہوسکتی تھی۔دوسرا جواب یہ ہے کہ م اور ح اور ح اور م میں ترتیب کے علاوہ کوئی فرق نہیں اس لئے کہ دونوں صورتوں میں ان کی قیمت برابر رہتی ہے۔یعنی دونوں کے اعداد بہرحال اڑتالیس (48) رہتے ہیں۔جن کی متوازی میزان (8+4) بارہ (12) ہے۔

اور یہی آئمہ معصومین علیہم السلام کی تعداد ہے ۔پھر اس تعداد کا متوازی میزان (1+2) تین ہوتا ہے۔جواوّلین تین معصومین (محمدؐ،علیؑ اور فاطمہؑ) کوظاہر کرتا ہے۔جن سے بارہ آئمہؑ اور اولادِ رسولؐ دنیا میں پھیلی ہے۔پھر سورہ مومن سے سورہ محمدؐ تک حروف ''ح'' اور ''م'' سات مرتبہ لائے گئے جس سے ان حروف کی قیمت سات گنا شمار ہوگی (7x(8+40)=336) جس کا متوازی میزان (6+3+3) پھر بارہ آئمہؑ کوظاہر کرتا ہے۔اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت کو زیادہ کرنے والے ہیں۔اور آپ دیکھیں گے کہ ان حٰمٓ والی ساتوں سورتوں کی عبارت کے پہلے حروف (ت ت ووک ت ت) کے اعداد کی میزان (1632) سولہ سو بتیس ہے اور اس کی متوازی میزان بھی (2+3+6+1) بارہ ہی ہوگی جو بارہ آئمہ اور تین اوّلین معصومین سلام اللہ علیہم کو ثابت کرتی ہے۔اور جب ہم سولہ سو بتیس (1632) کو حروف ''م'' اور ''ح'' سے تقسیم کرتے ہیں (1632/48) تو نتیجے میں ہمیں چونتیس (34) ملتے ہیں جو متوازی میزان (3+4) حٰمٓ والی سات سورتوں کا پتہ دیتے ہیں۔آپ نے سنا ہے کہ ان حروف مقطعات ہی سے کچھ ایسے اسماء بنتے ہیں جنہیں اسم اعظم کہتے ہیں اور جن کی قوت وتاثیر سے عقلوں کو حیران کردینے والے نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔

قارئین کرام! ہم آپ کی توجہ ایک بار پھر ''معانی الاخبار'' کی حدیث معصوم کی طرف مبذول کروانا چاہتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ تمام حروف مقطعات صفاتِ خداوندی سے متعلق ہیں۔یہ تقیّہ اور توریہ کی مثالوں میں سے ایک مثال ہے۔عربوں کو اللہ کی صفات پر کوئی اعتراض نہ تھا۔قرآن میں اللہ تعالیٰ کی صفات اعلانیہ بیان بھی کی گئی ہیں۔

لہٰذا اللہ کے لئے کسی اشارے اور کنایہ کی ضرورت نہ تھی اور پھر اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں آئمہ معصومین علیہم السلام نے کھل کر بیان ارشاد فرمائے ہیں جیسے کہ:۔

حدیث قدسی میں ارشاد ہے کہ ''میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا مجھے محبوب ہوا کہ میں پہچانا جاؤں تو اَے محمدؐ! میں نے تجھے تخلیق کر دیا'' یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات اور ہمہ قسمی تعارف کے لئے آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واسلم ہی ظاہر و مشہور ہستی ہیں۔ حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہج البلاغہ میں توحید بیان کرتے ہوئے بار بار ارشاد فرمایا ہے کہ توحید خالص اور مکمل اس وقت ہوتی ہے جب تمام تر صفات کو ذاتِ خداوندی سے جدا کر دیا جائے۔ معصومؑین میں سے ہر معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم ہی اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نام ہیں۔ ہم ہی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔

سورہ الاحقاف وہ سنگم ہے جہاں حروفِ مبارکہ حٰمٓ کا اتصال ہوتا ہے اور محمدؐ و علیؑ کا عددی ظہور ہوتا ہے۔ سورہ اس سلسلہ مبارکہ کی آخرہ سورۃ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حروف حٰ۔م (حٰمٓ) سے شروع ہوتی چلی آئی ہیں یہ سلسلہ سورۃ مومن (40) سے شروع ہوا اور سورہائے حٰمٓ دہ (41)، شوریٰ (42)، زخرف (43)، دُخان (44)، جاثیہ (45)، احقاف (46) پر مکمل ہوا۔ یعنی وہ قرآنی تمہید ختم ہوئی جو سورہ محمدؐ (47) کے لئے قائم کی گئی تھی۔ سورہ محمدؐ کو پھر آنحضرؐت کے حروف مبارکہ کے سائے میں رکھنے کے لئے چھبیسویں (26) پارہ کا نام حٰمٓ رکھا گیا تا کہ سورۂ محمدؐ کے بعد آنے والی سورتیں الفتح (48)، حجرات (49)، قٓ (50)، ذاریات (51)، بھی حروف حٰؐ، مٓ کے سائے میں مکمل ہو کر محمدؐ اور علیؑ کو ان کی عددی صورت میں پیش کر سکیں۔

محمدؐ اور علیؑ کی عددی صورت۔

اور وہ صورت ان سورتوں کے اعداد کو مجموعی صورت دینے کے بعد پیدا ہوتی ہے چنانچہ آپ ان بارہ سورتوں کے اعداد لکھیں یعنی:

(51+50+49+48+47+46+45+44+43+42+41+40)

اب ان کی اکائیوں اور دہائیوں کا الگ الگ میزان کر لیں:

(46=1+0+9+8+7+6+5+4+3+2+1+0)

لہٰذا ان اکائیوں کی میزان چھیالیس (46) ہوئی۔ اب ان دہائیوں کو دیکھئے اور چونکہ پہلی دہائی (40) کے مقابلہ پر قیمت رکھنے والا صفر ہے لہٰذا اس کو چھوڑ کر جمع کیجئے۔

(46=5+5+4+4+4+4+4+4+4+4+4+4)

دہائیوں کی میزان بھی چھیالیس ہے دونوں میزانوں کو جمع کیجئے (92=46+46) یہ محمدؐ کے اعداد ہیں اور ان اعداد کو متوازی طور پر پھر جمع کر دیں (11=2+9) اب قیمت والا صفر بھی اس گیارہ میں شامل کر دیجئے تو ایک سو دس (110) ہو گئے اور یہ علیؑ کے اعداد ہیں۔

نوٹ: تصریف مقطعات کی رو سے لفظ محمدؐ میں سے پہلے میم کو الگ کر دیا گیا تھا جس کے اعداد چالیس (40) ہوتے ہیں۔ اسی قاعدے کی رو سے دہائیوں میں بھی صفر کی وجہ سے چار کے ہندسہ کو چھوڑ دیا تاکہ وہ حرف ''دال'' پھر چھوٹ جائے جو لفظ محمدؐ میں سے ''حؔ۔م'' خود کو بحال رکھتے ہیں اور یہ ضروری ہے تاکہ دلیل قطع برقرار رہے۔

محمدؐ اور علیؑ کی تخلیق کے جذبہ کا نام ’’ وُدُوْدٌ ‘‘ رکھا گیا تھا ۔

حدیث قدسی میں فرمایا گیا تھا کہ ’’میں ایک مخفی خزانہ (کَنزًا مَخفِیًّا) تھا۔ مجھے یہ محبوب ہوا کہ میرا تعارف ہو جائے بس اس تعارف کے لئے اے محمدؐ، میں نے تمہیں پیدا کر دیا تھا‘‘ اس جذبہ کو مجسم صورت میں پیدا کر کے اس کا نام محمدؐ رکھ دیا گیا۔ اور اپنے لئے ودود کی صفت کو اختیار کر لیا۔ یہ لفظ وُدُوْدٌ اس صورت میں پیدا ہوتا ہے کہ محمدؐ کے نور کو دو حصوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے ۔آپ جانتے ہیں کہ اگر لفظ محمدؐ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تو برابر برابر تقسیم نہیں ہوتی یعنی م+ح (مح+48) اور (م+د+44) یا حٰمٓ (=48) و ’’مد‘‘ (=44) اس کو برابر تقسیم کرنے کے لئے مندرجہ بالا تصریف مقطعات سامنے لائیں اور اکائیوں اور دہائیوں کی میزانیں برابر برابر لکھیں یعنی 6 کے لئے واؤ لکھئے اور 4 کے لئے دال لائیے (و-6، د-4، و-6، د-4) اور یوں محمدؐ اور علیؑ کو ذخیرۂ محبت و مودّت کی صورت میں دیکھ لیجئے۔

قارئین کرام! جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کی پاک آلؑ یعنی چہاردہ معصومین علیہم السلام اور آپؐ کی نام نہاد قوم کا ذکر ہے اور اس میں کائنات کی تمام تر موجودات کا تفصیل سے ذکر ہے۔ اور حروفِ مقطعات قرآن المجید الحکیم کی سمٹی ہوئی صورت ہے۔ ان حروف کے ذریعہ سے ان پاک ہستیوںؑ کی سیرت و صورت، خدوخال بیان کئے گئے ہیں ۔تو کہیں ان ہستیوںؑ کی قسمیں اٹھا کر قرآن اور نام نہاد قوم کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہیں ایسے واقعہ کی یاد دلا کر سورہ کی ابتدا کی گئی ہے جس نے تمام

انبیاء کرام علیہم السلام کی محنت شاقہ کو بچایا اور دین اسلام کو اپنی تمام جزئیات کے ساتھ اپنی اصل بنیادوں پر قائم کر دیا۔

اب ہم مختلف سورہ جات میں وارد حروف مقطعات کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں ان سے متعلق خود قرآن واحادیث اور مختلف مفسرین نے قلم اٹھائی ہے درج ذیل ہیں۔

الٓمٓ:

1) سورہ بقرہ کی ابتدائی چند آیات سے واضح ہے کہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ الکتاب ہیں جس میں کوئی شش وپنج نہیں ہے۔ یہی وہ مقدس ہستیاں ہیں جنہوں نے انبیاء کرامؑ اور الہامی کتابوں کے بنائے ہوئے متقی لوگوں کو ہدایت کرنی ہے اور کائنات پر دین کا غلبہ اور مسخر کرنے کے پروگرام انتہا تک پہنچانا ہے۔

2) سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے آلِ محمدؐ کو گواہ بنا کر اپنے معبود ہونے اور زندہ اور قائم رہنے والا ہونے کا اعلان فرمایا ہے اور تمام الہامی کتابوں کے برحق ہونے کی تصدیق کی ہے۔

3) سورہ العنکبوت میں محمدؐ وآلِ محمدؐ کی نام نہاد قوم کے زبانی کلامی ایمان لانے کا ذکر فرمایا ہے۔ آلِ محمدؐ کو تسلی وتشفی دی گئی ہے کہ جس طرح پہلے لوگ جو گزر چکے ہیں بالکل اسی طرح انہیں بھی عملی طور پر آزمائش میں گزار کر پرکھا جائے گا۔ سچے اور خود ساختہ جھوٹے اسلام کے دعویدار چھان پھٹک کر علیحدہ کر لئے جائیں گے۔ آلِ محمدؐ کی محنت وقربانیاں ضائع نہیں ہونے دی جائیں گی۔

4) سورہ الروم آلِ محمدؐ کو ایک خوشخبری اور پیشگوئی سناتی ہے جو دس سال سے کم مدت میں

پوری ہونا تھی۔ یہ ایک مسرت انگیز تاریخی شہادت ہے جو خانوادہ ابراہیمؑ کی دونوں حکمران شاخوں میں قریب ترین رشتے کی مضبوطی اور خلوص کی مظہر ہے۔

5) سورہ لقمان میں سورۃ بقرہ کی طرح آل محمدؐ کو از سرتا پا حکمت والی مکمل کتاب کی بولتی چالتی چلتی پھرتی آیات فرمایا ہے جو احسان پیشہ لوگوں کے لئے مجسم ہدایت و رحمت ہیں۔ سورہ بقرہ میں متقی کی طرح فلاح پانے والے احسان پیشہ بننے کی مستقل شرائط بیان فرمائی ہیں۔

6) سورہ السجدہ اس سورۃ میں آل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کتاب کے رب العالمین کی طرف سے نازل ہونے میں کسی قسم کا شش و پنج اور گنجلک نہیں ہے ایجادِ بندہ نہیں ہے۔ یہ تو تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا حقائق کا مجموعہ ہے تا کہ قوم کو تنبیہہ کر سکو۔ شاید کہ یہ قوم ہدایت حاصل کر سکے۔

الٓمٓصٓ:

اس سورہ الاعراف میں اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے نازل کرنے، قوم کو تنذیر کرنے اور بشارت دینے اور مومنین کو بار بار یاد دہانی کرانے میں آل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم کو صادق اور امین فرمایا۔ بُرے اعمال کے نتائج سے ڈرانا کہ اِس دنیا میں بھی بُرے اعمال کے نتیجہ میں سینکڑوں بستیاں تباہ کر دی گئی تھیں۔ عذاب دن رات میں کسی وقت بھی آ سکتا ہے اور عذاب آ جانے کے بعد تمہارا اقرار جرم بے کار ہو جائے گا۔ اور آخرت میں جہنم ٹھکانہ ہوگا۔ خالصتاً قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے پر خوشخبریاں دی گئی ہے۔ اللہ کی طرف سے یہ تعلیمات الٰہیہ پہنچانے میں آل محمدؐ صادق امین اور دیانت دار ہیں۔

الٓرٰ:

1) سورۃ لقمان کی طرح سورۃ یونسؑ میں آل محمدؐ کی جگہ آلؐ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا گیا ہے۔اس سورۃ کی پہلی آیت میں اور دوسرے مقامات پر بھی قرآن کریم کو حکیم فرمایا گیا ہے ادھر حضرت علی علیہ السلام کو قرآن ناطق مانا گیا ہے۔پھر محمدؐ وآل محمدؐ کا خزانہ علومِ خداوندی ہونا احادیث سے ثابت ہے لہٰذا یہ سمجھنا دشوار نہ ہونا چاہئے کہ بنیادِ کائنات یعنی محمد مصطفٰی کی ذات پاک کی ہمہ گیر شخصیت ہی کا ایک عملی پہلو قرآن کی آیات کی صورت میں الگ سے نوع انسان کو دیا گیا ہے یعنی حضورؐ خود مجسم کتاب ہیں جس کی آیات قرآن کی آیات کی صورت میں نازل ہوئی ہیں اور عملاً حضورؐ ہی حکیم ہیں۔آل محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار خود کو آیات اللہ فرمایا ہے۔اس لئے یہ مقدس ہستیاں ہی قرآن ناطق اور اس کی عملاً آیات ہیں جن کی اتباع کی جاسکتی ہے۔

2) سورہ ھودؑ کی ابتدا ہی میں دشمنانِ دین جو قرآن کریم کو مشکوک، گنجلک اور گول مول آیات والی کتاب کہہ کر اجتہاد کی ہنڈیا چڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔آلؐ رسولؐ کو گواہ بنا کر فرمایا ہے کہ ایسے تمام لوگوں کو بتادو کہ قرآن از اوّل تا آخر محکم ہے اس میں ہر بات ہر مسئلہ مفصل بیان کہا جا چکا ہے یہ دوسری بات ہے کہ تعلیم قرآن اہل قرآن آلِ رسول علیہم السلام سے لینا لازم ہے۔

3) سورۃ یوسفؑ میں سورۃ لقمان کی طرح آل رسولؐ کو ظاہر و بیان کرنے والی کتاب یعنی قرآن کریم کی ناطق آیات فرمایا ہے۔

4) سورہ ابراہیمؑ میں اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ سے مخاطب ہے کہ اے نبیؐ یہ ایک کتاب ہے

جسے ہم نے آپ کے اوپر نازل کیا ہے تاکہ آپؐ لوگوں کو ان کے رب کی اجازت سے گمراہی کی تاریکیوں میں سے نکال کر نورؐ ہدایت یعنی ولایت آلؐ رسولؐ کی روشنی میں لائیں۔

5) سورۃ الحجر میں بھی سورۃ لقمان، یونسؑ اور یوسفؑ کی طرح آلِؐ رسولؐ کو **الکتٰب** اور قرآن مبین کی ناطق آیات فرمایا ہے۔

الٓمّٓرٰ:

اس سورۃ الرعد میں **الکتٰب** اور **الحق** کے متعلق فرمایا ہے کہ محمدؐ رسول اللہ کی آلؐ کتابِ خداوندی قرآن کی بولتی چالتی آیات ہیں اور جو کچھ بھی آپؐ کی طرف نازل کیا گیا ہے وہ تیرے پروردگار کی طرف سے سراسر حق وصداقت (سب سے بڑا **الحق** آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں) ہے لیکن ان لوگوں کی کثرت ایمان نہیں لائے گی۔

کٓھٰیٰعٓصٓ:

سورۃ مریمؑ میں ان حروف میں واقعہ کربلا سمو دیا گیا ہے۔ک ''کربلا'' ھ (ہلاکشت) ''شہادت حسینؑ''، ی ''یزید قاتل حسینؑ''، ع ''عطش حسین''، ص ''صبر حسینؑ''

''احتجاج طبرسی میں منقول ہے کہ سعد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت صاحب الامرؑ سے کٓھٰیٰعٓصٓ کی تعبیر پوچھی فرمایا کہ یہ حروف اخبار غیب سے ہیں۔حق تعالیٰ نے پہلے حضرت زکریاؑ کو خبر دی ہے اور اس کے بعد حضرت رسولؐ خدا کو آگاہ فرمایا ہے اور سبب اس کے نزول کا یہ ہے کہ حضرت زکریاؑ نے حق تعالیٰ سے سوال کیا کہ آلؑ عبا کے نام مجھے تعلیم فرما تاکہ ہر شدت و بلا میں ان کے واسطہ سے پناہ مانگوں۔اس وقت حضرت جبرئیلؑ نازل

ہوئے اور آلؑ عبا کے اسمائے مقدسہ آنجناب کو تعلیم کئے جب بھی حضرت زکریاؑ جناب رسولؐ خدا اور علیؑ ابن ابی طالبؑ اور جناب فاطمہؑ اور حضرت حسنؑ کا نام لیتے تھے تو غم واندوہ میں ان کا غم دور ہو جاتا تھا اور خوشی حاصل ہوتی تھی اور جب حضرت امام حسینؑ کا نام لیتے تھے تو ایسی رقت ان پر طاری ہوتی تھی کہ ضبط نہ کر سکتے تھے ایک دن حضرت زکریاؑ نے دُعا کی کہ خداوندا کیا سبب ہے جب میں ان چار بزرگوں کا نام زبان پر لاتا ہوں تو میرا غم زائل ہو جاتا ہے اور میرا جی خوش ہو جاتا ہے اور جب میں حضرت امام حسینؑ کا اسم مبارک لیتا ہوں تو میرا غم جوش میں آتا ہے اور ایسی رقت مجھ پر طاری ہوتی ہے کہ میں ضبط نہیں کر سکتا۔ پس حق تعالیٰ نے قصہ شہادت اور مظلومیت امام حسین علیہ السلام حضرت زکریاؑ کو وحی فرمایا اور فرمایا کٓهٰیٰعٓصٓ کے ''ک'' سے مراد ''کربلا'' ہے اور ''ہا'' سے ''ہلاکت'' اور ''ع'' سے ''عترتِ طاہرہ'' اور ''ی'' سے ''یزید قاتلِ حسینؑ'' ہے اور ''ع'' سے ''عطش'' و تشنگی حضرتؑ کی صحرائے کربلا میں مراد ہے اور ''ص'' سے مراد امامؑ مظلوم کا ''صبر'' ہے۔ جب زکریاؑ نے یہ قصہ پُر درد سنا تین دن مسجد سے باہر نہ نکلے اور کسی کو اپنے پاس نہ آنے دیا اور گریہ وزاری میں مشغول رہے اور فریاد و بے قراری کرتے تھے۔ اور ایک مرثیہ حضرتؑ کی مصیبت میں پڑھتے تھے جس کا حاصل یہ ہے

''خداوندا آیا تو ایسے شخصؑ کے دل کو اس کے فرزند کے غم میں اندوہگیں کرے گا جو بہترین خلائق ہے۔ خداوندا، آیا نازل کرے گا تو ایسی بلا کو ساعتِ قرب میں اپنے حبیبؐ کے۔ بارالٰہا ایسی مصیبت میں پوشاکِ ماتمی علیؑ و فاطمہؑ کو پہنائے گا۔ خداوندا ایسے درد والم کو ان کی منزل رفعت وجلال میں جگہ دے گا'' اور اس کے بعد درگاہِ جناب احدیت میں عرض کی

خداوندا مجھے ایک فرزند عطا کر کہ اِس پیری میں میری آنکھیں اس کے دیکھنے سے روشن ہوں اور جب ایسا فرزند تو مجھ کو عطا فرما تو اس کی محبت میں مجھے فریفتہ و گرویدہ بنا دے اس کے بعد میرے دل کو اس کی مصیبت میں ایسا اندوہناک کر جیسا کہ تیرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل اندوہ ناک ہوگا۔ پس حق تعالیٰ نے انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا فرمایا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی مانند درجۂ شہادت پر فائز ہوئے''

(بحارالانوار جلد 1 صفحہ 62)

طٰہٰ:

سورہ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ کا اپنے ہی محبوب حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرنے کا انداز ہے۔ اے طیبؐ و طاہرؐ و مطہرؐ، ہم نے یہ قرآن تم پر اس لئے نازل نہیں کیا ہے کہ تم مشقت و مصیبت میں پڑ جاؤ۔ احکامات قرآن کے نفاذ کے لئے شب و روز محنت شاقہ کے ساتھ کچھ آرام بھی فرما لیا کریں۔

طٰسٓمٓ:

1) سورہ الشعراء میں یہ آپؐ کے مسلمہ القاب ہیں الطاہر، السیّد، محمد مصطفیٰ۔ رسولؐ اللہ کی ہمدردی، فداکاری اور وفا کا نام نہاد قوم نے بے رحمی سے جواب دیا تو باری تعالیٰ نے قرآن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اے طٰسٓمٓ آپؐ اس نام نہاد قوم کے حقیقی مومن بن جانے کے ضرورت سے زیادہ حریص ہو۔ خوف ہے کہ شاید آپؐ اس فکر میں اپنی جان کھو دو گے۔

2) سورہ القصص میں بھی رسولؐ پاک کو ان ہی القابات طٰسٓمٓ سے مخاطب کر کے

قرآن کی آیات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت موسیٰ اور فرعون کی پردہ غیب میں کچھ پوشیدہ خبریں تلاوت فرمائی ہیں جو حقائق پر مبنی اور ایماندار قوم کے لئے یقیناً سب آموز ہیں۔

طٰسٓ:

سورۃ الشعرا اور القصص کی طرح، سورۃ النمل کا افتتاح بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے القاب سے کیا گیا ہے۔ پہلی درج بالا سورۃ کی طرح قرآن ہی کو اللہ نے کتاب مبین فرمایا ہے۔ یہاں ایک باریک سی بات یہ ہے کہ جن آیات کو قرآن اور کتاب مبین کی آیات فرمایا ہے ان کے لئے اسم اشارہ مونث بعید کا لایا گیا ہے (تِلْکَ) یعنی ''وہ آیات'' ظاہر ہے کہ جس طرح سورہ بقرہ کی ابتدا میں الٓمٓ کے لیے اسم اشارہ مذکر (ذٰلکَ) ''وہ'' لایا گیا تھا اور معنی قدرتی طور پر یہ ہوئے تھے کہ الٓمٓ وہ کتاب ہے جو متقین کو ہدایت کرتی ہے اسی طرح طٰسٓ (الطاہر، السید) وہ آیات ہیں جو قرآن اور کتابِ مبین کی ناطق آیات ہیں اور مخصوص مومنین یعنی نظامِ ولایتؑ پر ایمان لانے والے مومنین کے لئے ہدایت اور خوشخبریاں ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ ان میں کا پہلا بھی محمدؐ ہے، آخری بھی، درمیان والا بھی، بلکہ سب کے سب محمدؐ ہیں سبھی الطاہر والسید ہیں۔

یٰسٓ:

یٰسٓ یا السیّد اے سردارِ کائنات کے لقب سے مخاطب کر کے حکمت کی تعلیم دینے والے قرآن (قرآنِ ناطقؐ و مجسمہِ حکمت) کی قسم اٹھائی ہے۔ حکیم صفت مشبّہ (مستقل ہر وقت موجود رہنے والی صفت) ہے۔ جو صاحب عقل وارادہ واختیار کی صفت ہے۔ کسی بے

عقل و بے اختیار مخلوق کیلئے یہ صفتِ مشبّہ استعمال نہیں ہوتی ہے۔لہٰذا اس آیت 36/2 میں جس قرآن کی قسم کھائی گئی ہے وہ کاغذوں پر لکھا ہوا یہ قرآن نہیں ہے اس لئے کہ وہ صاحب اختیار و ارادہ چیز نہیں ہے۔وہ وہی قرآن ہے جو اُمت میں ''قرآن ناطق'' کے لقب سے مشہور ہے۔وہی حقیقی معنی میں ''والقرآن الحکیم'' ہے اس سے اگلی آیات ''صراط مستقیم'' پر قائم رسولؐ کو السید و سردار ثابت کرتی ہے۔

صٓ:

(صادقؐ) الذکرؐ والے قرآن کی قسم کہ مجسمہِ صداقت (صٓ) محمدؐ حق پیش کرتے ہیں۔اس سورۃ مبارکہ کا نام حضورؐ کے لقب پر رکھا گیا ہے حضورؐ کا دوسرا لقب الذکر مشہور و معروف ہے۔آل محمدؐ کو اہلؑ الذکر فرمایا جاتا رہا ہے۔لہٰذا اسی انداز اور اسی مقام کو ذی الذکر کہہ کر قرآن کو بھی اہل الذکر قرار دے دیا گیا ہے یعنی آنحضرتؐ جس طرح اہل بیتؑ سے منسوب ہیں اسی طرح قرآن سے بھی منسوب ہیں اور یہ ثبوت ہے قرآن اور اہل بیتؑ کے حلیف و ردیف ہونے کا۔یعنی اگر آپ کو تعلیمات محمدؐ یہ کا ہمہ گیر و خاموش ریکارڈ درکار ہے تو قرآن کریم اس کا حامل ہے اور اگر آپ کو تعلیمات محمدؐ یہ کا بولتا چالتا عملی و لامحدود ریکارڈ مطلوب ہے تو علیؑ اور آئمہ معصومینؑ بذاتِ خود محمدؐ ہیں۔حدیث ثقلین میں یہی فرمایا گیا ہے۔

حٰمٓ:

لفظ محمدؐ یا م۔ح۔م۔دؐ میں درمیانی حروف۔

1) سورہ غافر میں حٰمٓ۔م صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب فرما کر اللہ تعالیٰ نے الکتاب اور

اپنی صفات بیان کی ہیں۔

2) سورۃ حٰم السجدہ میں حٰ۔م کو مخاطب فرما کر قرآن کے متعلق فرمایا ہے کہ قرآن جو عربی زبان میں ہے علم والی قوم کے لئے آیات کی تفصیل لکھ دی گئی ہے پھر نام نہاد قوم کی شکایت کی ہے کہ ان کی کثرت نے قرآن سے روگردانی کر لی ہے اور اُن کے دلوں پر پردے اور کانوں میں ڈاٹیں لگی ہوئی ہیں۔

3) سورۃ الزخرف: اے (ح۔م) محمدؐ! ہم بیان کرنے والی مجسم و مکمل کتاب کی قسم کھا کر اعلان کرتے ہیں کہ ہم نے اس کو عربی زبان میں قرآن بنا دیا ہے تا کہ تم اپنی عقل سے اپنی مادری زبان میں اس کے احکام کو سمجھ سکو اور یقیناً وہ عربی قرآن دراصل کتابوں کی بنیاد یعنی لوحِ محفوظ میں ہمارے یہاں ضرور بالضرور صاحب حکمت علیؑ ہے (یہ تھا اِس قرآن اور اُس قرآن میں فرق۔ان میں سے ایک کتاب ہے دوسرا کتاب کا حاملؑ (قرآنؑ ناطق) سے ایک ضابطہ حیات ہے۔دوسرا حیاتِ کائنات اور راہنمائے جن وانس وملائکہ و جمادات ونباتات وحیوانات ہے)

4) سورۃ الدخان: یہ سورۃ بھی رسوؐل خدا کو مخاطب فرما کر مجسم و مکمل بیان کرنے والی کتابؐ کے تذکرہ سے شروع ہوئی اور ابتدائی آیات میں دو اہم حقائق کا زوردار تذکرہ فرمایا گیا ہے اوّل یہ کہ کتاب مبین جسے عربی زبان کے قرآن کی صورت میں بھیجا گیا پوری کی پوری اتاری گئی تھی اور دوم یہ کہ اس کا نزول ایک مبارک رات میں ہوا تھا (یہ تصور غلط ہے کہ قرآن تئیس 23 سال میں حالات و واقعات کے مطابق حسبِ ضرورت سورتوں اور آیات کی صورت میں نازل ہوتا رہا)

5) سورۃ الجاثیہ: اس سورۃ میں (حٰمٓ۔م) محمدؐ کو مخاطب فرما کر اللہ کی طرف سے الکتٰب کا نازل ہونے اور زمین و آسمان میں مومنین کے لئے اور یقین کرنے والی قوم کے لئے آیات ومعجزات موجود ہونے سے ابتدا کی گئی ہے۔

6) سورۃ الاحقاف: اس سورۃ میں بھی رسوؐل پاک کو مخاطب فرما کر الکتٰب کے نازل ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور خودساختہ اولیا اور خودساختہ ولایت کی مذمت سے ابتدا فرمائی گئی ہے۔

حٰمٓ عٓسٓقٓ:

سورۃ الشوریٰ میں رسوؐل پاک کی سیرت وصورت کا نقشہ کھینچا ہے۔ طرزِ تخاطب ہے اَے محمدؐ! اے میرے عبد، اوّل العابدؐین، اے اوّل الساجدؐین، اے السیّدؐ وسردارؐ، سروؐرِ کائنات، اے قلبِ محمدؐ جس پر وحی کی جا رہی ہے جس پر الکتاب مکتوبی صورت میں تحریراً موجود ہے۔ اس سورۃ کی ابتدا نام نہاد قوم کے خودساختہ والیانِ حکومت وخلافت کی مذمت فرمائی ہے اور خلافت الٰہیہ یعنی رسوؐل اللہ وآئمہ اہلؑ بیت کی ولایت اختیار کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔

نٓ:

سورۃ القلم: حروف یٰسٓ کی طرح نٓ بھی سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں استعمال ہوا ہے۔ اے نفسِ محمدؐ تیری قسم، قلم واہل قلم اور اُن سطروں کی قسم جو وہ لکھ رہے ہیں، کیونکہ بیت النبوۃ وامامۃ میں کتبہائے خداوندی اور قدیم وجدید ریکارڈ اور احادیث نبوؐی کی تدوین جاری تھی۔

اس کے بعد نام نہاد قوم کے لیڈر اور دانشور کا ذکر شروع ہو جاتا ہے جو رسولؐ پاک کو دیوانہ یا شاعر سمجھتے تھے۔ اسی بات پر اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا کہ آپؐ بفضل خدا ہرگز پاگل نہیں۔ آپؐ کی تعلیم و تربیت کے اجرا کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہونے پائے گا۔ یہ بات بہت جلد آپ پر بھی اور مخالفین پر بھی واضح ہو جائے گی۔ پھر اس کے بعد اس قومی لیڈر کا ذکر شروع ہو جاتا ہے۔

ان ہی قلموں میں سے ایک قلم تھا جو رسولؐ خدا نے اپنے آخری وقت میں مانگا تھا کہ میں تمہارے لئے کچھ لکھ دوں تا کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ اس مجمع میں سے کسی نے پکار کر کہا کہ قلم لانے کی ضرورت نہیں کہ حضورؐ (معاذ اللہ) دیوانے ہو گئے۔ مجنوں ہو گئے۔ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَھْجُرُ حَسْبُنَا کِتَابَ اللّٰہ۔ ''یقیناً یہ مرد ضرور ضرور ہجرت کر رہا ہے اور ہمیں کتاب اللہ حسب حال ہے۔

قٓ:

سورۃ قٓ اَے قلبِ محمدؐ، قسم ہے بزرگی والے قرآن کی کہ یہ لوگ آپ کے اعلانِ نبوت پر حیران ہیں۔ موت کے بعد قیامت و رجعت واقع ہونے پر بھی تعجب ہے۔ حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ ان کا تعجب اور بہانہ بازیوں کا حقیقی سبب یہ ہے کہ ان کے سامنے پورے دین کا مقصد'' الحقؑ '' کی صورت میں آ کر کھڑا ہو گیا جسے وہ برداشت نہیں کر سکتے اور انہوں نے اَمر کو آڑ بنا کر اس مکمل یا مجسم حقؑ (علیؑ و اولادِ علیؑ آئمہ معصومین علیہم السلام) کو جھٹلانا طے کر لیا ہے۔